تصوّف اور جی ایم سیّد

حادا لسن سومرو

تصوّف

اور

جی۔ایم سید

(خُطباتِ سیّد)

(تصوف کا معاشرے، قوم اور افراد پر کیا اثر ہوتا ہے
اس پر جناب جی۔ ایم سید کا اظہار خیال)

ترجمہ:- خادم حسین سومرو

نگارشات ○ میاں چیمبرز ○ 3 ٹمپل روڈ ○ لاہور

فون : 636-2412, 631-2968, 631-3657

اشاعت	:	1996ء
نام کتاب	:	تصوف اور جی ایم سید
ترجمہ	:	خادم حسین سومرو
پبلشرز	:	نگارشات
		میاں چیمبرز، 3- ٹمپل روڈ، لاہور
		فون: 6362412, 6312968, 6313657
پرنٹرز	:	المطبعتہ العربیہ، لاہور
سرورق	:	منور
قیمت	:	-/90 روپے

فہرست

صفحہ

تعارف

قیام پاکستان کے بعد جناب جی۔ ایم۔ سید کا حکمران طبقے سے ہم خیال نہ ہونے کے سبب' وہ خاصہ عرصہ زیر عتاب رہیں ہیں۔ آج تک ساڑھے تیرہ سال قید یا نظر بندی کاٹ چکے ہیں اور ابھی تک نظر بند ہیں۔

ان کا زیادہ وقت ملکی سیاست کے کام کرنے میں گزرا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے زبان' کلچر اور دوسرے مذہبی اور سماجی کاموں میں بھی دلچسپی لی ہے۔

پاکستان میں 1958ء میں مارشل لاء نافذ ہونے کے بعد ان کو 10 اکتوبر 1958ء کو جیل بھیج دیا گیا۔ اور سوا سال کے بعد ان کو اپنے آبائی گاؤں "سن" میں نظر بند کیا گیا۔ عارضی طور پر جب 23 مارچ 1966ء کو انہیں رہا کیا گیا تو انہوں نے سیاسی میدان میں حالات سازگار نہ دیکھ کر اپنا رخ تبدیل کر کے سندھ کے کلچر کی ترقی اور حفاظت کا کام ہاتھ میں لیا۔

اس سلسلے میں سندھ کے مختلف مقامات پر دس ثقافتی کانفرنسیں منعقد کروا کر تعلیم یافتہ اور نوجوان طبقے کو سندھ کے کلچرل معاملات کی طرف راغب کرنے کی ترغیب دی۔ اور بزم "صوفیائے سندھ" کی بنیاد رکھی۔

اس کتاب میں ان مواقعوں پر کی ہوئیں تقاریر اور احوال دیا ہوا ہے۔ یہ کام نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ رواں دواں تھا۔ کہ پاکستان کے حکمران طبقے نے اس تحریک کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھ کر شاہ صاحب کو پھر نظر بند کر دیا۔ جس کے سبب یہ تحریک وہیں رک گئی۔

ان مواقعوں پر ان کے دیئے ہوئے خطبے شائع کر کے عام لوگوں میں تقسیم کئے

گئے تھے۔ لیکن خاصہ وقت گزرنے کے سبب ان کا ملنا مشکل ہو گیا۔ اس لئے ان تمام خطبات کو نئے سرے سے شائع کر کے عوام کی معلومات کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔

محمد سومار خان تھیبو

پہلی سندھ کلچرل کانفرنس، ٹھٹہ

سید عالی شیرازی علیہ کے سالانہ عرس کے موقع پر 23 جون 1966ء کو جناب جی۔ ایم۔ سید کی افتتاحی تقریر۔

عزیز بھائیو!

آپ سے اس مجلس میں مل کر مجھے بہت ہی خوشی ہوئی ہے۔ آپ میں سے بزرگ حضرات کو یاد ہو گا کہ میں نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کراچی، ضلع سے کیا۔ ٹھٹہ اس وقت کراچی ضلع میں تھا۔ اب میں سیاست سے کنارہ کش ہوا ہوں تو کلچرل اصلاح کا کام یہیں سے شروع کر رہا ہوں۔

ممکن ہے آپ میں سے کچھ حضرات معلوم کرنا چاہتے ہوں کہ عمر عزیز کے 46 برس سیاست میں صرف کرنے کے بعد، آخری عمر میں اس نئے مشغلے کو کیوں شروع کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے مختصر طور پر اس پر روشنی ڈال کر مستقبل کی تجاویز سے آپ کو آگاہ کرنے کی کوشش کروں گا۔

یہ احوال پیش کرنے سے پہلے آپ کو چند الفاظ میں سیاست اور کلچرل کاموں کے مختلف فرائض اور معنوں سے واقف کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

انسانی زندگی کے کاروبار کے تین اہم شعبے ہیں۔ جن کے فرائض کی معلومات حاصل کر کے ان کے مختلف مسائل کے درمیان تمیز نہایت ضروری ہے۔

1- ان میں پہلا اور اہم شعبہ مذہب ہے۔ جو بنی نوع انسانی کی رہبری اور ہدایت کے لئے دور قدیم سے کام آ رہا ہے۔ اس نے مختلف ادوار، قوموں، ملکوں اور حالات میں مختلف نام، طریقہ کار اور قوانین شریعت اختیار کر کے، لوگوں کی تنظیم اور ہدایات کے لئے، معاشرے کے حالات اور تقاضہ وقت کے مطابق کام دیا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہی بنیادی طور پر "دین فطرت" ہے۔ جس کے

مقاصد اور مطالب ہر مقام اور ہر دور میں وہی رہے ہیں۔ دین فطرت نے کائنات کو منصوبے کے مطابق ظہور پذیر اور ان کی سرانجامی کے لئے چند مقاصد کا ہونا لازمی قرار دیا تھا۔ اور ان کے بنیادی مقاصد بنی نوع انسان میں اتحاد امن اور ترقی تھے۔ اور ان کے دو طریقے تھے:۔

ایک کا واسطہ عقائد سے اور دوسرے کا عمل سے رہا ہے۔

2- لوگوں کی زندگی کا دوسرا شعبہ سیاست رہا ہے۔ اس کا تعلق لوگوں کے باہمی تنازعات حل کرنے اور امن و امان قائم کرنے سے رہا ہے۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں یہ کاروبار ہے ان کو "حکمران" اور دستور کو "حکومت" کہا جاتا ہے۔ اس کا زیادہ تر دارومدار طاقت اور اقتدار پر ہے۔

3- لوگوں کی زندگی سے تعلق رکھنے والے تیسرے شعبے کا نام "سلسلہ طریقت" یا "روحانیت" جس کو زمانہ جدید کی اصطلاح میں "کلچرل اصلاح" کے معنی لئے جا سکتے ہیں اس کا واسطہ لوگوں کی نفسیاتی، ذہنی اور اخلاقی اصلاح، تعلیم و تربیت اور ترقی سے رہتا ہے۔

اگر آپ ان تینوں شعبوں کی کارکردگی کا غور سے مطالعہ کریں گے تو آپ کو تاریخ سے بہت سی مثالیں ملیں گی۔ ان میں سے ہر ایک شعبے کے کارکنوں نے دوسرے شعبوں کے فرائض اور کاروبار کو ایک ساتھ کر کے اپنا مطیع کرنے کی کوشش کی ہے اور ابھی تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس لئے اکثر حالات میں ان کے مختلف فرائض میں تمیز کر کے جداگانہ تشخیص کرنا مشکل مسئلہ ہو گیا ہے۔

(i) ایک طرف عالموں، پادریوں اور پنڈتوں نے اپنے مذہبی شعبے کا دائرہ وسیع کر کے سیاست اور طریقت کو اپنے شعبے کی شاخیں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

(ii) دوسری طرف ممالک اور قوموں کے حکمرانوں نے اپنی قوت، اقتدار، دولت اور دوسرے وسائل کے ذریعے باقی دو شعبوں، مذہب اور رحانیت کو اپنے دائرے کے زیر سایہ ان کو مددگار شعبے بنا کر کام لانے کی کوشش کی ہے۔ جب بھی اور جہاں بھی ان دو گروہوں کے کارکنوں کی طرف سے خود سری یا آزادی کی کوشش ہوئی تو ان کو دبانے یا خریدنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(iii) اہل طریقت کا زیادہ تر واسطہ ترغیب اور تالیف قلوب سے رہنے کے سبب

یہ ذکر کیے ہوئے دونوں شعبوں سے علیحدہ رہے ہیں۔ لیکن یہ قانون قدرت ہے کہ ہر کام کے لئے تنظیم اور ترتیب کی ضرورت ہوتی ہے۔ جہاں بھی تنظیم اور ترتیب ہوئی وہاں گروہ بندی شروع ہوئی اور وہاں دائرہ اثر پیدا ہوتا ہے۔ اس اثر کا بعض حالات میں ذکر کئے ہوئے دونوں شعبوں کے اثرات سے اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ جس کے سبب ان دونوں شعبوں کے کارکنوں کی طرف سے اس شعبے سے بنے رہنا یا کمزور کرنے کی کوشش چلی آ رہی ہے۔ حکمرانوں اور مولویوں کی طرف سے اہل طریقت کی خوشامد یا تعظیم کرنا یا تجاوز کی حالت میں ان کو معتوب کر کے سزائیں دینے کا کام بھی سرزد ہوا ہے۔

یہ قاعدہ ہے کہ معاشرے کی سادگی اور ابتدائی دور میں ان تینوں شعبوں کے کاروبار میں علیحدگی قائم رکھنا مشکل مسئلہ تھا لیکن جیسے جیسے معاشرہ ترقی کرتا ہوا قوموں میں تہذیب اور تمدن پیدا کرتا ہے تو ہر ایک شعبے کے طریقہ کار میں علیحدگی ضروری ہو جاتی ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ ایک وقت تھا کہ ضلع کے کلیکٹر' ریونیو' جنگلات' پولیس' ارگیشن' روڈ' لوکل بورڈ' صحت' عدالتی کھاتوں کے مدار المہام ہوتے تھے۔ اور یہ تمام کھاتے ان کے زیر نظر چلتے تھے۔ لیکن آگے چل کر حکومت کے مختلف کھاتوں کے کاروبار بڑھنے کے سبب ہر ایک کھاتے کی خاص فنی مہارت کا احساس پیدا ہوا تو ان کھاتوں کو علیحدہ کر کے مختلف افسران کے ماتحت کیا گیا۔ یہی بات آپ کو علم طب میں نظر آئی گی' ایک زمانہ تھا کہ ایک ہی ڈاکٹر یا طبیب تمام امراض کا علاج کرتا تھا۔ لیکن زمانے کی ترقی اور سائنس کے کمال نے آگے چل کر یہ ضرورت محسوس کروائی کہ مختلف بیماریوں کو خوش اسلوبی سے رفع کرنے کے لئے ہر ایک مرض کے لئے ماہر پیدا کیے جائیں۔ جس کے سبب آپ آج کل دل' دماغ' نفسیات' جلد اور ہڈیوں کی بیماریوں وغیرہ کے لئے علیحدہ علیحدہ ڈاکٹروں کو علاج کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔

اسی طرح معاشرے کی ترقی' انسانی تہذیب اور تمدن کی ضروریات اور تاریخی تجربے نے اس بات کا احساس دلایا ہے کہ مذکورہ تینوں شعبوں کے کاروبار اور مسائل کو علیحدہ کر کے' ہر ایک شعبے کا کام ان کے ماہروں کے سپرد کیا جائے۔ دنیا کا دستور ہے کہ کوئی بھی گروہ خوشی سے اپنے اقتدار' طاقت اور کاروبار کو کم کر کے باہمی

سمجھوتے سے دوسروں کے ساتھ تعاون کے لئے تیار نہیں ہے۔ اسی لئے ابھی تک پسماندہ ممالک میں تینوں شعبوں کے کاموں کی وراثت ہو نہ پائی ہے۔ اس لئے اختلافات رہتے ہیں۔

لیکن غور سے دیکھا جائے تو دنیا کا کوئی بھی مہذب ملک ایسا نہیں رہا ہے جس میں مذہب' سیاست اور طریقت (کلچر) کے شعبوں کو عملی طور پر جدا کر کے چلایا نہ جاتا ہو۔

ملکی قوانین حکمران بناتے ہیں اور حکومتی کاروبار' ملکی انتظام' معاشی اور مفاد عام کے کام' ترقیاتی تجاویز حکومت کے ہاتھ میں رہتی ہیں۔ ماسوائے ورثے' نکاح یا دوسری ذاتی باتوں کے' مذہبی کتابوں یا مذہبی حضرات کو اس معاملے میں دخل اندازی حاصل نہیں ہے۔ البتہ پسماندہ ممالک میں جاہل عوام پر مذہبی رہنماؤں کا اثر ہونے کے سبب کچھ حکمران مصلحت کی خاطر مذہبی رہنماؤں کو زبانی طرح سے خوش رکھتے اور حوصلہ افزائی کرتے رہتے ہیں۔

اگر سیاست پر نظر دوڑائیں گے تو معاشرے کی تبدیلی' حالات کے تقاضوں' قومی رجحانات' طبقاتی مفادات اور مختلف نظریات کے سبب ملکی سیاست کتنے ہی طریقے اختیار کر چکی ہے۔ شخصی بادشاہت' عوامی ڈکٹیٹرشپ' ملٹری اور نوکر شاہی کی حکومتیں' جمہوری حکومتوں کے مختلف طریقے اور اقتصادی دستوروں نے آج کل کی ملکی سیاست میں ایسا الجھاؤ پیدا کیا ہے کہ عالمی اتحاد' امن اور ترقی کی راہ میں رکاوٹیں پیدا ہو رہی ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں بھی کتنے ہی الجھاؤ ہیں لیکن پسماندہ ممالک کی مشکلات کی کوئی حد ہی نہیں ہے۔

ملکی سیاست میں' میں نے 1920ء سے دلچسپی لینا شروع کی۔ جس میں مختلف تجربے' ارتقائی مراحل اور حالات کے تقاضوں اور اپنی وسعت کے موجب میں' میں نے ملک اور قوم کی آزادی' سماجی بہبود اور ترقی کے لئے خاصی جدوجہد کی ہے۔ لیکن اس وقت ملکی حالات اس حد تک پہنچ چکے ہیں جن کو محسوس کرتے ہوئے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ حالات ہمارے بس میں نہیں اور سیاسی نقطۂ نگاہ سے بھی سازگار نہیں ہیں۔

1- گزشتہ 50 سال کی مسلسل کوشش کے باوجود عوام میں سیاسی شعور پیدا نہ ہو سکا

ہے۔

2- خواص میں خود مطلبی' قوم فروشی' نفاق اور بزدلی کی عادتیں گھر کر چکی ہیں۔

3- سندھ کی سیاسی' اقتصادی خود مختاری اور ترقی کی راہ میں رکاوٹیں پیدا ہو چکی ہیں۔ جو بظاہر آئینی اور نہ ہی غیر آئینی راستوں سے یا باہمی سمجھوتے سے دور کی جا سکتی ہیں۔ کیونکہ نہ ہی ہم میں اتحاد ہے۔ نہ ہی تعداد زیادہ ہے' نہ ہی ہم میں کوئی جرات اور ہمت ہے۔ اور نہ ہی قومی شعور پیدا کر سکے ہیں۔

گزشتہ نظربندی کے دوران میں نے ان باتوں پر نئے سرے سے غور کر کے ملکی مسائل کے حل کے لئے کچھ تجاویز سوچی ہیں۔

مجھے تاریخ سے کتنی ہی ایسی مثالیں ملی ہیں جو ہماری موجودہ مشکلات سے مشابہت رکھتی ہیں۔ جس کے سبب قوموں کے لئے تین راستے کھلے رہتے ہیں۔ یا تو وہ پہاڑ سے ٹکرا کر خود کشی کریں یا حالات سازگار ہونے کی بے کار امیدوں پر آہستہ آہستہ اپنی موت مرجائیں اور غلامی کی زندگی گزاریں یا اپنی قوت عمل کو قومی اصلاح اور تعمیر کے دوسرے راستوں میں کام لائیں۔

مسلمانوں کی تاریخ میں کتنی ہی مثالیں موجود ہیں۔ بنی امیہ' بنی عباسیوں اور دوسرے حکمرانوں کے دور حکومت میں خانہ جنگی' قومی انتشار' بداخلاقی اور مفاد پرستی کے حالات جب چ مسلمان مفکروں اور اہل رائے نے دیکھے تو انہوں نے سیاسی خلفشار سے کنارہ کشی کر کے مسلم عوام میں اصلاح نفس' قومی خود شناسی' اخلاقی درستگی حب الوطنی' ایثار اور قربانی کا مادہ پیدا کرنے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ سندھ میں سمون کے آخری دور اور مغل حکومت کے ابتداء میں ہمارے اہل رائے کی توجہ بھی اس طرف مائل ہوئی۔

اس وقت ہم بھی ان حالات میں مبتلا ہیں۔ ہم میں قومی شعور اور نہ ہی اتحاد پیدا ہوا ہے۔ تمام ملک میں ہماری آبادی بھی کم ہے۔ اور خود مطلبی بی گھر کر گئی ہے۔ نہ ہی آئینی طریقے سے اپنے حقوق حاصل کر سکتے ہیں اور نہ ہی غیر آئینی طریقے منزل مقصود تک پہنچا سکتے ہیں۔اس لئے میری نظر میں یہ ہی طریقہ بہتر نظر آ رہا ہے۔ کہ ایک مخلص کارکنوں کا گروہ سیاسی خلفشاروں سے دور رہ کر سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی کے طریقے کے موجب "خدام سندھ جماعت" بنا کر اور اپنی زندگی وقف کر کے قومی

اتحاد، نفسیاتی اصلاح، اخلاقی درستگی، حب الوطنی اور خود شناسی کی تعلیم اور تربیت کی طرف توجہ دے۔

مجھے یہ راستہ زیادہ آسان، موضوع اور ملکی تقاضوں کے مطابق نظر آ رہا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام حضرات یہ راستہ اختیار کریں اگر چند مخلص کارکنوں نے بھی اس کام کو ہاتھ میں لیا تو کافی کچھ ہو سکتا ہے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے میرے پاس چند تجاویز ہیں۔ جو حاضرین کے مشورے اور غور و فکر کے لئے خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

1- کلچرل مرکز یا "خدام سندھ" کے نام سے ایک متفقہ پلیٹ فارم تیار کیا جائے۔ جس میں مختلف عقائد، اقتصادی اور سیاسی نظریات، مختلف سیاسی گروہ اور طبقاتی مفاد کے حضرات کو اپنی رائے پر قائم رہتے ہوئے سندھ کے کلچرل اور قومی مفاد کے لئے صلاح مشورہ اور تبادلہ خیالات کر کے ایک ہی مقصد کے لئے کام کرنا چاہیے۔

2- لوگوں کی اہم خامیاں جیسے کہ ذاتی اختلافات، قوم فروشی، بزدلی اور نفسیاتی اور اخلاقی کمزوریوں کو دور کرنے کے لئے تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جائے۔

3- لوگوں کو اتحاد، امن اور ترقی کی خاطر تیار کرنے کے لئے محبت، مذہبی اور سیاسی رواداری اور حب الوطنی اور قربانی کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے صوفیائے کرام اور قومی ہیروز کی زندگی سے واقف کیا جائے۔

4- ہر ایک ضلع میں کچھ کلچرل مرکز بنا کر کام کیا جائے۔

5- عوام، طلبہ، اساتذہ اور تعلیم یافتہ طبقے کو اس رنگ میں رنگنے کے لئے کچھ مخصوص کارکنوں کے گروہ بنا کر ان کو کام سپرد کیا جائے۔

اس راہ میں مندرجہ ذیل دشواریوں سے بچنے کے لئے احتیاط ضروری ہے۔

1- حکومت کی پالیسیوں اور کاروبار میں دست درازی نہ کی جائے۔ بلکہ ممکن ہو پائے تو باہمی مشوروں کی بنیاد پر ذکر کیے ہوئے مقاصد کے حصول کے لئے حکومتی تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

2- مقامی سیاسی گروہ بندیوں، سیاسی نظریات اور طبقاتی مفاد کے اختلافات میں دخل اندازی نہ کی جائے۔

فررفت، گاؤ آمد

مرا ازین چہ سود

کی مثال کو سامنے رکھا جائے۔

3- اس ادارے کے ممبر، بلدیاتی کونسلر، اسمبلیوں کے ممبر بننے اور پارٹیوں میں شریک ہونے سے دور رہیں۔

4- نفرت، نفاق، فرقہ پرستی، مذہبی تعصب، خود مطلبی اور خود فروشی کی باتوں سے پرہیز کیا جائے۔

یہ وہ خیال ہیں جو میرے ذہن میں ہیں۔ ان کو اہل فکر اور اہل رائے کے سامنے پیش کر رہا ہوں کہ ان پر غور و فکر کرنے بعد کسی نتیجے پر پہنچیں۔ کوئی بھی انسان دوسرے پر اپنی رائے مسلط نہیں کر سکتا ہے۔ نہ ہی کوئی تنہا آدمی گاؤں بنا سکتا ہے۔ مجھے ترقی پسند ادیبوں، اہل رائے اور مفکر حضرات اور نوجوان طبقے کی صلاحیت، جرآت اور جذبہ عمل سے کافی امیدیں ہیں۔ باوجود اپنی اس رائے کے میں ان کی اکثریتی رائے اور فیصلے کا خیر مقدم کروں گا۔

سپردم بتو مایہ خویش را

تو دانی حساب کم و بیش را!

میں نے اپنی دولت آپ کے حوالے کی ہے۔ اب کم اور زیادہ کے حساب کا وزن آپ پر ہے۔

غلام مرتضیٰ

دوسری سندھ ثقافتی کانفرنس' بڈھاپور
یکم اگست 1966ء

حضرت داد شہید علیہ کے سالانہ عرس پر بزم صوفیائے سندھ کے تحت یکم اگست 1966ء کو دوسری سندھ ثقافتی کانفرنس ہوئی۔ جس کی صدارت عالی جناب پیر میاں غلام حیدر شاہ سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ عبدالکریم علیہ نے کی۔

اس کانفرنس کا افتتاحی خطبہ سندھ کے سید اعظم محترم جناب جی۔ ایم سید نے پڑھا تھا' وہ پیش کر رہے ہیں۔

عزیز بھائیوں!

23 جون کو سید عالی شیرازی علیہ کے عرس پر بزم صوفیائے سندھ کی پہلی مجلس کی افتتاحی تقریب میں جو میں نے کہا تھا اس کا لب لباب حاضرین کی ذہن نشینی کے لئے دوھرا رہا ہوں۔ وہاں میں نے کہا تھا کہ انسانی زندگی کے کاروبار کے تین شعبے ہیں۔ (1) مذہب (2) سیاست اور (3) طریقت یا کلچر۔ اور اس بات کی اہمیت پر زور دیا تھا کہ موجودہ زمانے میں ان تینوں شعبوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر کے چلانا لازمی امر اور فائدے مند بھی ہے۔ تینوں شعبوں کے مقاصد کم و بیش حالانکہ بنی نوع انسان میں اتحاد' امن اور ترقی کے تھے۔ لیکن ہر ایک کا طریقے کار علیحدہ تھا۔

مذاہب:-

یہ خدا اور پیغمبروں کے فوق العقل الہامی علم کی بنیاد پر برپا کیے گئے ہیں۔ ان کی تشریح میں ملاں' پنڈت اور پادری باوجود صدیاں گزرنے کے یک رنگی اور ہم آہنگی پیدا کر نہ پائے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہر ایک مذہب میں سینکڑوں فرقے پیدا ہو چکے ہیں۔ جو ایک دوسرے سے برسر پیکار ہیں۔ اس کے سبب کافی عرصہ سے

مذہب لوگوں میں اتحاد پیدا کرنے کی بجائے نفاق کا کارن بنا ہے۔ ابھی اس کے ذریعے اتحاد بنی نوع انسان کے لئے کوشش کرنے میں مجھ جیسے لاعلم کو مسئلے کی نزاکت کے مدنظر خوف آرہا ہے کہ شاید ایسی کوشش کو کوئی ناپسند کر کے بدعت اور کفر کا فتویٰ نہ جاری کرے۔ اس میں ہی بہتری سمجھتا ہوں کہ مذہبوں کے یہ باہمی اختلافی مسائل ان کے روایتی وارثوں کے حوالے ہی رہیں۔

سیاست کے ذریعے بھی لوگوں کو غربت' بدامنی' جبر اور جہالت سے بچا کر ان میں آسودگی' امن' آزادی اور علم پیدا کیا جا سکتا ہے۔ عمر عزیز کے کتنے ہی سال اس کے ذریعے لوگوں کی خدمت کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن تجربے کے بعد معلوم ہوا کہ مذکورہ مقاصد کی سرانجامی کے لئے طاقت کے حصول کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس سلسلے میں عزت' طاقت اور دولت حاصل کرنے کے لئے جو مقابلہ ہوتا ہے اس میں باوجود خلوص دل اور جذبہ خدمت کے کوئی بھی کارکن طبقاتی اور شخصی رقابت کا شکار ہونے سے بچ نہ پایا ہے۔ یہ تمام وقت اس راہ میں کام کرتے ہوئے عوام میں سیاسی شعور کی کمی اور خواص کی اکثریت کے باہمی اختلافات' خود مطلبی' بزدلی اور وطن فروشی کی باتوں کو دیکھ کر یہی مناسب سمجھا ہے۔ کہ اس شعبے کو جاہ و اقتدار کے طالبان اور شائقین کے حوالے ہی رہنے دیا جائے۔

طریقت یا کلچر کے بنیادی مقاصد مذکورہ دونوں شعبوں کی طرح بنی نوع انسان کے اتحاد' امن اور ترقی کے ہیں۔ جس قدر میں غور کر پایا ہوں کہ یہ شعبہ اختلافی خطرے ذاتی عناد اور باہمی مقابلے سے کم اثر انداز ہوتا ہے۔ اس میں ملاں کی ناراضگی اور حکمران کی مخالفت کا اندیشہ رہتا ہے اور اس میں آزادی فکر کے لئے کشادہ میدان بھی ہے۔ طاقت کے حصول اور استعمال کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس شعبے کی کارکردگی کا تمام دارومدار ذہنی پرچار (تبلیغ)' تالیف قلوب اور اصلاح نفس پر رہتا ہے۔

اس شعبے میں میری دلچسپی یا توجہ نئی نہیں ہے۔ اس کی ابتداء 18 فروری 1925ء سے کی تھی۔ جب "سن" میں درگاہ شاہ حیدر علیہ کے عرس پر محال ما نجھندن کی تنظیم' تعلیم اور سماجی کانفرنس زیر صدارت سید حاجی محمد شاہ ٹنیاری والے کے منعقد کی تھی۔ اس کے بعد اس کا دائرہ وسیع کیا گیا اور 29' 28 جنوری 1928ء کو اسی میلے پر ایک بڑی تعلیمی' تنظیمی اور سماجی کانفرنس زیر صدارت سید ولی محمد شاہ سجادہ

نشین قلندر لعل شہباز علیہ منعقد کی گئی تھی۔ اس میں اہم اہل علم اور سماجی کارکنوں نے حصہ لیا تھا۔ جن میں اہم یہ ہیں۔ حکیم فتح محمد سیوہانی' ڈاکٹر محمد عمرداور پوتا' مولوی محمد صادق کھڈے والا' شیخ عبدالحق' مسٹر حاتم علوی' سیٹھ طیب علی علوی' سید میراں محمد شاہ' شیخ عبدالمجید سندھی' سید جمال دین بخاری اور مولوی محمد عثمان دہلوی تھے۔ علاوہ ازیں سندھ کے کتنے ہی زمیندار اور معزز حضرات شریک ہوئے تھے۔ اور مرزا قلیچ بیگ مرحوم' میر غلام محمد خان تالپور' میر ایوب خان' حاجی عبداللہ ہارون' خان بہادر ولی محمد حسن علی اور سید عبدالرحیم شاہ نے اس موقع پر اظہار ہمدردی کے پیغام بھیجے تھے۔ اس کانفرنس میں مختلف موضوعات پر تقاریر ہوئیں اور باہمی بحث و مباحثے کے بعد کتنی ہی تجاویز منظور کی گئیں۔ جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ سندھ کی اہم درگاہوں کے سالانہ عرس پر ثقافتی کانفرنسیں منعقد کر کے' عوام کی اصلاح نفس' اخلاقی' بہتری' عام رسم و رواج کی بہتری اور تعلیمی ترقی کے لئے کوشش کی جائے۔ اس قرار داد کی تائید میں سید میراں محمد شاہ نے شاہ عبداللطیف کے عرس کے موقع پر 18 جون سے 21 جون 1932ء کو مختلف کانفرنسیں منعقد کیں' جن میں اہم ادبی کانفرنس صوفی "روح و ریحان" اور صوفی راگ کی محفلیں ہوئیں اس کے بعد رفتہ رفتہ شاہ لطیف علیہ کے عرس پر ادبی کانفرنسیں ہونے لگیں اور بھٹ شاہ کلچرل مرکز قائم ہوا۔

اس وقت بھی ہماری توجہ اور دلچسپی حالانکہ سیاسی مسائل سے تھی۔ اور اس کام کو ثانوی حیثیت دے رہے تھے۔ لیکن اس کے باوجود بھی اس خالص ثقافتی تحریک میں وزیروں اور ارکین سندھی اسمبلی نے بھی حصہ لینا شروع کیا۔ لیکن "تلک الایام نداولھا بین الناس" زمانے لوگوں کے درمیان تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

کچھ وقت کے بعد حالات تبدیل ہو گئے۔ اور جن مقاصد اور مطالب سے یہ کانفرنسیں شروع کی گئی تھیں وہ پورے ہو نہ پائے۔ سیاسی مصروفیات کے سبب نہ ہی کانفرنسوں کے مقاصد ہم پا سکے اور نہ ہی سمجھا سکے اور نہ ہی جن حضرات پر ہمارے بعد یہ ذمہ داری آئی وہ اس تحریک کو صحیح مقاصد کے لئے کار آمد کر پائے۔ اور یہ مجالس صرف مختلف خیال اور گروہوں کے ادیبوں اور شاعروں کے نازک خیال اور سحربیانی اور حاضرین مجلس کی تفریح طبع کے مرکز بن گئے ہیں۔۔

نظر بندی کے خاتمہ کے بعد مختلف وجوہات کی بنا پر جب میں نے سیاست سے کنارہ کشی کی اور دوبارہ کلچرل مسئلے میں دلچسپی لی تو سندھ کے اہم درگاہوں کی زیارت کر کے سروے کیا کہ یہ مراکز ملک اور لوگوں کی خدمت اور اصلاح کے لئے کار آمد ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ دورے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ باوجود کچھ مشکلات کے ان میں سے کتنے ہی مقامات سے مذکورہ مقاصد کی سرانجامی ہو سکتی ہے۔ اسی لئے اس قسم کی کانفرنسیں منعقد کرنا شروع کی گئیں اور اس سلسلے کی یہ دوسری کانفرنس ہے۔

اس تمام مسئلے کو زیادہ کار آمد بنانے اور گزشتہ تجربے کی بنیاد پر کوتاہیاں دور کرنے کے لئے نئے سرے سے غور کرنے کے بعد کچھ مقاصد متعین کیے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

1- یہ کانفرنسیں قومی خامیوں اور کوتاہیوں کی درستگی اور اصلاح کے لئے منعقد کی جائیں۔ ان کو محض حاضرین مجلس کی تفریح طبع، مختلف قسموں کے ادیبوں کے زور قلم کے اظہار یا سستی شہرت حاصل کرنے اور کچھ اہم حضرات کی نمائش کے لئے کام میں نہ لائیں جائیں۔

2- جن درگاہوں پر کانفرنسیں منعقد کی جائیں ان بزرگوں اور درگاہوں کو قومی اخلاق کی درستگی اور نفسیاتی (روحانی) اصلاح کے لئے پیغام رسانی کا ذریعہ بنایا جائے اور ان کو نہ ہی بذات خود مقصد لیا جائے۔

3- جن درگاہوں کے سجادہ نشین سیاسی اقتدار اور دنیاوی جاہ و جلال کے حصول میں مبتلا ہیں۔ ان سے جتنا ہو پائے دور رہیں۔

4- ان کانفرنسوں میں مندرجہ ذیل ذکر کیے ہوئے مقاصد کی تبلیغ، تشریح اور تربیت کا انتظام کیا جائے

میں غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہمارے قومی تنزل اور کمزوری کی اہم وجہ مندرجہ ذیل چار باتیں ہیں:۔

1- مفاد پرستی اور خود نمائی۔

2- قومی شعور کی عدم موجودگی۔

3- نفرت اور نفاق۔

4- بزدلی اور بے غیرتی۔

ہمیں ان کلچرل کانفرنسوں میں قوم کی ان خامیوں کو دور کرنے کے لئے کام کرنا ہے۔

یہ مقاصد تب حاصل ہو پائیں گے جب ہم ان امراض کا علاج تلاش کر پائیں گے۔ اور ان کو' بیماری کو دور کرنے کے لئے کام میں لائیں گے۔ میری سمجھ میں مندرجہ ذیل باتوں کا علاج یہ ہیں:۔

(1) مفاد پرستی اور خود نمائی کا علاج:۔

ہماری قومی تنظیم چار گروہوں میں بٹی ہوئی ہے۔ (1) غریب عوام (2) زمیندار اور بڑے لوگ (3) نوکر شاہی (4) تاجر اور کارخانہ دار' اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ چاروں ہی گروہ اس مرض میں ایسے مبتلا ہیں کہ شخصی مفاد کے سوا مجموعی مفاد یا قومی مفاد کا انہیں خیال ہے اور نہ احساس۔

غریب عوام:۔

بیروزگاری' جہالت اور جبر کی حالت میں مبتلا ہیں۔ کوئی بیمار ہے تو کوئی بیروزگار' کوئی آمدن بہتر نہ ہونے کے سبب تنگ دستی میں ہے۔ کسی کی چوری ہوئی ہے اور کسی سے رشوت لی گئی ہے اور کسی کو مارا گیا ہے وغیرہ۔۔۔ مطلب کہ ان کا تمام بدن دکھوں سے چور چور ہے ان کے چھٹکارے کے ابھی تک دو ذرائع رہے ہیں۔ ایک زمیندار اور دوسرا نوکر شاہی۔ لیکن آگے چل کر آپ کو معلوم ہو گا کہ خود یہ دونوں گروہ بھی اپنی اپنی بیماری میں مبتلا تھے۔

آن که خود گره است

که راه رهبری کند

جو خود گمراہ ہے وہ دوسرے کی کیسے رہبری کر سکتا ہے۔

عوام میں یہ ابھی تک یہ احساس پیدا نہ ہو پایا ہے کہ یہ تکالیف چند افراد تک محدود نہیں ہیں بلکہ تمام قوم کے افراد باری باری ان مشکلات کا شکار ہوتے ہیں اسی لئے کچھ افراد کی ذاتی تکالیف وقتی طور پر دور ہونے سے دائمی اور مجموعی علاج نہیں ہو پاتا۔ تمام افراد قوم کے جزو ہیں۔ قوم کے اہم امراض کے دائمی اور مجموعی چھٹکارے

کے سوا کوئی بھی عارضی اور ذاتی چھٹکارا بے سود ہے۔

زمیندار اور بڑے لوگ:۔

بھی ظاہری نمائش کے باوجود اندر سے بیمار ہیں۔ کسی کو عزت و شہرت کی لامتناہی بھوک ہے اور کوئی شخصی اقتدار کا متلاشی ہے' کوئی باہمی حسد اور اختلافات کا شکار ہے تو کسی کو زیادہ دولت ہونے کے باوجود اس پر قناعت نہیں ہے اور رات دن اس کو بڑھانے کے خیال میں مبتلا ہے۔ مطلب کہ ہر چیز ان کی نرالی ہے۔ یہ گروہ بندی اور ذاتی دشمنی کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ وہ اپنی ضروریات اور تکالیف کے علاج کے لئے روایتی طور پر نوکر شاہی اور وقتی حکومت کے آگے سر بسجود ہیں۔ اور اپنی اپنی خواہشات اور ضروریات کے حصول کے لئے ہمیشہ ایک طرف باہمی مقابلے اور دوسری طرف اپنے آقاؤں کی خوشامد اور غلامی میں مبتلا ہیں۔ لیکن ان کو معلوم نہیں ہے کہ ان کے یہ روایتی معالج خود بھی بیمار ہیں۔ یہ دراصل حکیم نہیں بلکہ نیم حکیم ہیں:

ڪلينن ڪوينجن، تن طبيب نہ گڏيا،
ڏڏي ڏنيپ ڏڏن، پاڻان ڏيل ڏڪوئيو!

ترجمہ:۔ نیم حکیموں نے تو مار ڈالا کیونکہ تن کو طبیب نہ ملے نیم حکیموں نے تو جان کو داغ داغ کر چکنا چور کر دیا ہے۔

اس کلاس کو ابھی تک احساس نہیں ہوا ہے' اگر ہوا ہے تو مفاد پرستی اور بزدلی ان کو اجازت نہیں دیتی۔ وہ ذاتی شان' اقتدار اور ملکیت کے حصول میں مبتلا ہیں۔ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ قومی اقتدار شان اور فرخندہ حالی کے سوا یہ تمام بے سود ہیں:

"طمع را سہ حرف است هر سہ تهي"

ترجمہ:۔ طمع میں تین لفظ ہیں لیکن تینوں ہی خالی ہیں۔ لیکن سمجھتے نہیں ہیں۔ اور بھی دو قدم آگے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے قرآن شریف کہتا ہے کہ:۔

"صم بکم عمی فهم لا یرجعون"

ترجمہ:۔ یہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں، انہیں کوئی بھی بات ذہن نشین نہیں ہو گی اور نہ ہی وہ درست ہوں گے۔

نوکر شاہی:۔

کی اکثریت کن بیماریوں اور خامیوں میں مبتلا ہے۔ اس سے ہر کوئی واقف ہے۔ اس پر تفصیلی روشنی ڈالنا ملکی سیاست کا جزو بن جائے گی جس سے ہمیں دور رہنا ہے۔ عقلمندوں کے لئے اشارہ ہی کافی ہے۔

کارخانہ دار اور تاجر:۔

حضرات کو ہر طریقے سے دولت جمع کرنے کا شوق دامن گیر ہے ان کی خاص تعداد کو قوم اور عوام کی باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے ان کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ "اپنا پیٹ بھرو دوسروں سے کیا غرض"۔

مذکورہ بالا قوم کے ہر گروہ کی خامیاں مفاد پرستی کی پیداوار ہیں جو قوموں کی تنزلی کی نشانی اور خودنمائی کی پیداوار ہے۔

افسوس اس بات پر ہے کہ آج کل ہمارا تعلیم یافتہ صاحب اقتدار طبقہ نمائی کو ختم کرنے کی بجائے اس کو بڑھانے کی تلقین کر رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "خودی کو اتنا زور دلاؤ کہ خدا خود آپ سے کاروبار قدرت کے متعلق پوچھے"۔ ان کو کون سمجھائے؟۔ ہمارے درویشوں نے تو دوسری تلقین کی ہے:

خودي ۽ خدا، ڪين ماهندا مــن ۾،
ٻن ترارين جاءِ ڪانهي هڪ مياڻ ۾.

خودی اور خدا ایک من میں سما نہیں سکتے ہیں دو تلواروں کی جگہ ایک نیام میں نہیں ہوتی۔

"جنين پانيو هاڻ، ڪيائين توائي تن کي."

جنہوں نے خود نمائی کی، ان کو ہی بے حال کر دیا۔

"واڪ ڏٺيءَ جي وس، آءٌ ڪا هاڻ وهيٺي!"

باگ اے مالک تمھارے ہی ہاتھ میں ہے۔ میں تو کمزور و ناتواں ہوں۔

اسی لئے قوم کے ان اہم امراض کے علاج کے لئے تعلیم و تربیت دینا ہمارے کارکنوں کا فرض بن جاتا ہے۔

(2) قومی شعور کی عدم موجودگی:۔

میں ذکر کر چکا ہوں کہ مفاد پرستی ہماری اہم بیماری ہے۔ جو خودی سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اس بات نے قومی شیرازے کو درہم برہم کر دیا ہے۔ اس کا علاج اس بات میں سمایا ہوا ہے کہ ہر فرد اپنے وجود کو قومی وجود میں فنا کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ فرد قطرہ اور قوم دریا ہے۔ "غالب" نے کیا خوب کیا ہے۔

"عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا"

جدید کلچرل زبان میں اس کے معنی یہ ہو گا کہ ذاتی مفاد پر قومی مفاد کو ترجیح دی جائے۔ فرد کی قومی وجود کے سوا علیحدہ ہستی ہو نہیں سکتی ہے۔ اسی لئے ہماری ان مجلسوں کا دوسرا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ لوگوں میں حب الوطنی پیدا کر کے ان میں ہم وطنوں کے لئے محبت پیدا کی جائے۔

اِيءَ نه مارُن ريت، جو سيڻ مٽائين سون تي،
ھِڪن جي ھِريت، ماڙيُن سين نه مٽيان!

یہ میرے دیس والوں کی ریت نہیں ہے کہ وہ اپنا رشتہ' سونے پر مٹا دیتے ہیں۔ اپنے جھونپڑوں کی محبت کو محلات پر نہ مٹاؤں گی۔

(3) نفرت اور نفاق کی موجودگی

میں ذکر کر چکا ہوں کہ مفاد پرستی اور خودنمائی نے ہم سے شعور ختم کر دیا ہے اور قوم کا شیرازہ درہم برہم ہو گیا ہے۔

جس کے سبب ہم نفرت اور نفاق کے شکار ہو گئے ہیں۔ جس قدر میں نے غور کیا ہے کہ نفاق اور نفرت کے اہم وجوہات تین ہیں۔

1- مذہب کی غلط تشریح
2- ذاتی اور طبقاتی مقابلے

3- فسطائی نظریات

اس لئے ہم کو وحدت الوجود کی بنیاد پر، مذہب کی صحیح تشریح کر کے نفرت اور نفاق کو مٹانا ہے۔

ڏسڻ جي ڏسين، ته ثم کي حق چوڻ،
شارڪ شڪ م نين، انڌا انهيءَ ڳالهه ۾! (شاهه)

اگر تم حقیقی نظر سے دیکھو گے تو خدا کو حق کہو گے۔ اے شرک کرنے والے ذرا بھی شک اے اندھے اس بات میں نہ کرو۔

بحر عميق وچ جو ٽبي هوسي، دين ڪفر دا دفتر ڌوسي!
(بيدل)

جو بحر عمیق میں غوطہ پائے گا وہی دین کفر کا فرق مٹائے گا۔

هڪ هندو، ٻيا مسلمان، ٽيو وچ وڌائون وير،
انڌن اونڌهه نه لهي، تن کي سچ چوندو ڪير،
روحل راهه پرينءَ جي، جڏهن گهمي ڏٺوسين گهير،
ته رب مڙني ۾ هيڪڙو، تنهن ۾ ڦند نه ڦير!

ایک ہندو ہوئے دوسرے مسلمان تیسرا انہوں نے آپس میں دشمنی کی۔ اندھوں کو اندھیرے کی کیا خبر۔ ان کو سچ کون کہے گا۔ اے روحل محبوب کی راہ کا جب میں نے گھاٹ گھوم کر دیکھا۔ تو رب سب کا ایک ہے جس میں کوئی بھی فرق نہیں ہے۔

نفرت کو نکالنے کے لئے محبت اور عشق کو رہبر راہ بنانا ہے۔

"عشق سارو اسلام، مذهب محبت عين مبارڪ!"
(مصري شاهه)

تمام عشق اسلام ہے۔ مذہب محبت عین مبارک ہو تمہیں۔

حوصلو حيرت جو، آهي نه مٿي عام،
سنڌي محبت مام، ڪور پروڙي ڪينڪي!
(شاهه رحه)

حیرت کا حوصلہ عام میں نہیں ہوتا۔ محبت کے رموز کی جھوٹے کو کیا پرکھ۔

4- بزدلی اور بے غیرتی:-

ہماری چوتھی بیماری یہ ہے کہ اتحاد نہ ہونے کے سبب ہم میں بزدلی گھر کر گئی ہے۔ اسی لئے ہمیں ان مجالس کے ذریعے ان کو دور کرنے کے لئے ایثار، قربانی، قومی

42699

غیرت اور حمیت کا مادہ پیدا کرتا ہے۔

ڏ ڪر ڪينئن سٽي، جي ميھر نہ گھڙي سھٽي!
ھتي حياتي ڏينھڙا، ھڏھين تان نہ ھئي،
ھونئين ھوند مئي، پر پڏيءَ جا پيٽا ٿيا! (شاہ)

اگر سوہنی دریا میں کود نہیں پڑتی تو نام اس کا کیسے زبان زد ہوتا وہ ہمیشہ تو اس دنیا میں نہ رہ پاتی۔ ان کو جو میہار نے محبت کا جام پلایا تھا اس نے اسے مست کر دیا تھا۔ مرنا تو اسے ویسے بھی تھا۔ لیکن ڈوب کر فنا ہونے سے وہ امر ہو گئی۔

آءٌ ڪيئن سوڙئين سمھان، مون ور گھاري ولھ،
ڪنئين تان کل، عمر، ڪج م ايھڙي! (شاہ)

میں کس طرح رضائی اوڑھوں۔ میرا خاوند تو سردی کے عالم میں ہے۔ یہ ہماری جو اوڑھنی (ذمہ) ہے۔ اس پر اے عمر مت ہنسنا۔

مونھن وڃايم سومرا! ميرو منھن ٿيوم،
وڃڻ تت پيوم، جت ھلڻ ناھ حسن ريءَ! (شاہ)

اے سومرا میں نے تمام حسن کھو دیا ہے۔ اور میرا منہ میلا ہو گیا ہے مجھے وہاں جانا ہے۔ جہاں حسن کے سوا کوئی بات ہی نہیں ہے۔

ان اعلیٰ مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں اپنی مجالس کے ذریعے مندرجہ ذیل کام کرنے چاہئیں۔

1- ہماری تقاریر مذکورہ موضوعات پر ہونی چاہئیں. اور تمام درویشوں کے کلام و اقوال کو حوالے کے طور پر ان کی تائید کے لئے کام میں لانا چاہئے۔

2- ہماری شاعری کے موضوع بھی یہ باتیں ہونی چاہئیں۔

3- ہمیں اپنے راگ و سرور اور ناٹک کو ان موضوعات اور مقاصد کی اشاعت اور تبلیغ کا ذریعہ بنا کر کام میں لانا چاہئے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ جو ادیب صرف ادبی موشگافیوں یا شمع اور پروانے کی شاعری، ساقی اور میخانے، گل و بلبل وغیرہ کی رسمی اور بے معنی قافیہ پیمانوں میں محو رہنے چاہتے ہیں۔ یا صرف اپنے علم و عقل کی لفظی جوڑ توڑ سے تقریر لکھنا یا پڑھنا چاہتے ہیں ان کے لئے یہ مجالس موضوع جگہ نہیں ہیں۔

جانَ وِڌءِ هئين ته ويهه، نه ته وڃيو واٽ ونءِ تون،
هيءُ تنين جو ڏيهه، ستاڙي جنين هٿ ۾!

اگر تمہیں محبت نے چور چور کر دیا ہے۔ تو یہاں بیٹھو۔ نہیں تو یہاں سے چلے جاؤ۔ یہ ان کا دیس ہے۔ جن کے ہاتھوں میں تلوار ہے۔

جو شاعر حضرات بیمار قسم کے عشق اور عاشقی کی داستان سرائی یا محض قافیہ اور ردیف کی قابلیت دکھانے کے لئے ان کانفرنسوں کے مشاعروں میں آنا چاہتے ہیں ان کو با ادب گزارش ہے کہ یا تو وہ اپنا روایتی طریقہ تبدیل کریں یا اپنی گوہر افشانی کے لئے مناسب اور موضوع پلیٹ فارم تلاش کریں۔ یہاں شاعری صرف مذکورہ مقاصد کی تبلیغ اور اشاعت کے لئے ہی ہوتی ہے۔ یہ مجالس اتحاد، امن اور ترقی اور سندھ کی بہبود کے لئے ایک مشن اور ایک تحریک کا کام دینے کے لئے منعقد کی جاتی ہیں۔ نہ ہی کچھ حضرات کی خودنمائی اور مشہوری حاصل کرنے کے لئے۔

مکر سڌ شراب جي، جو تون ڪڙي ڪوهه،
پيتي جنهن ڄامي ٿئي، منجهان رڳن روح،
ستائي ڇڪ ٺڪوهه، لاهي سر لطيف چوي! (شاهه)

تم "تمہ" کی کڑواہٹ سے گھبرا جاتے ہو تو تم شراب کی تمنا مت کرو، جس کے پینے سے روح سے ہر رگ جدا ہو جاتی ہے تم اپنے سر کو اتار کر کلال کی دکان پر رکھو پھر شراب کا مزہ لو۔

راگ و سرود بیشک روح کی راحت اور تن کی تراوت ہیں۔ لیکن جو حضرات ان کو تفریح طبع کے لئے سننا چاہتے ہیں ان کے لئے سینما، ریڈیو، گراموفون اور خانگی مجالس زیادہ بہتر ہوں گی۔ یہاں راگ "خودی" کو ختم کرنے، حب الوطنی پیدا کرنے، اور قوم شناسی، محبت کا پیام، ایثار اور قربانی کی تعلیم دینے کے لئے سنایا جائے گا۔ ہمارے ادیبوں سے جو مذہبی فرقہ واریت، سیاسی گروہ بندی، مفاد پرستی اور طبقاتی نقطہ نگاہ سے نفرت اور نفاق پھیلانا چاہتے ہیں۔ ان کو اپنے لئے جدا مرغزار تلاش کرنا چاہیئے۔ ہمارے نوجوانوں کو جو زلف و بند کے شوقین ہیں ان کو لطف نہیں آئے گا۔ ہم یہاں پیر پرستی، رجعت پسندی، نفرت پیدا کرنے اور ذاتی عزت اور وقار کی تبلیغ کے لئے جمع نہیں ہوئے ہیں۔ بلکہ لوگوں کی اصلاح نفس اخلاقی بہتری، قوم شناسی، حب

الوطنی، خودی کو ختم کرنا اور انسانی اتحاد امن اور ترقی کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں۔

آخر میں آپ کو یہ بات ذہن نشین کرنی چاہئے کہ میری نظر میں طریقت، تصوف اور کلچر ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں۔ اسی لئے ہم ان مجالس کو کبھی بزم صوفیائے سندھ، کبھی کلچرل کانفرنس اور کبھی "روح و ریحان" کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔ اسی لئے کوئی بھی مغالطہ نہیں ہونا چاہئے۔

ابھی تک ہمارے پاس طریقت کے معنی خودی کو ختم کرنے، خود کو پہچاننے، دوئی کو نکالنے، دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے اور حب الوطنی، اصلاح نفس اور اخلاقی درستگی کی جا رہی ہے۔ اگر اس کی برابری کلچرل ترقی سے کریں گے تو بھی معنی ایک ہی ہوں گے جو اہل طریقت بتاتے آئے ہیں۔ صرف طریقہ کار اور تشریح میں جدید زمانے کے جدید الفاظ کے سبب مختصر فرق نظر آئے گا۔ کلچر کے نقطہ نگاہ سے "خودی کو ختم کرنا" کے معنی یہ ہوں گے کہ اپنے ذاتی فائدے کو قومی مفاد میں سمایہ جائے۔ "خود کو پہچاننا" کے معنی یہ ہوں گے کہ فرد یا قطرہ کی جداگانہ ہستی قوم اور دریا میں سمانے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ "خودشناسی" اور "قوم شناسی" یہ دونوں ہم معنی باتیں ہیں۔۔ "دوئی کو نکالنا" کے معنی یہ ہوں گے کہ جو بات اتحاد بنی نوع کو توڑے، نفاق اور نفرت اور بدامنی پیدا کرے ■ "دوئی" ہے۔ یہ بات کیوں نہ ہی مذہب، وطن، طبقاتی مفاد، پرہیز گاری اور تقویٰ کے نام پر بیان کی جائے۔ مہذب آدمی وہ ہے جو دوئی نہیں رکھتا۔ اس کو نکالنے سے روح کو راحت اور قلب کو سکون حاصل ہوتا ہے "دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا" کلچرل زبان میں یہ معنی ہوں گے کہ عارضی اور جلد فائدہ پر دائمی اور مستقبل کے مفاد کو ترجیح دی جائے۔

اس طرح سے حب الوطنی کو اہل طریقت ایمان کا جزو سمجھتے آئے ہیں۔ لیکن کچھ حضرات نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ یہ وطن عارضی اور فانی ہے۔ اصل وطن عالم الارواح ہے۔ اس لئے درویشوں نے وطن کا جب نام لیا تھا تو اس سے ان کی مراد وہ وطن ہے، لیکن یہ ایک معنی تو ہو سکتے ہیں۔ اس لئے اس سے "ملک کی محبت ختم کرنے" کے معنی نہیں نکلتے ہیں۔ اس کو صرف ایک اور اصل معنی سمجھنا حقائق کے برخلاف ہو گا۔ انسان جسم اور روح کا مرکب ہے۔ جسمانی چیزوں کو صوفیوں نے مجاز کہا ہے اور روح کو حقیقت سمجھا ہے لیکن صوفیوں نے یہ بھی کہا ہے کہ

"المجاز قنطرة الحقیقت"

ترجمہ:- مجاز حقیقت تک پہنچنے کا پل ہے۔

"متاب از عشق رو گرچہ مجازی است
کہ آن بہر حقیقت کار سازی است

(جامی)

ذرا غور کر کے دیکھیں گے تو معلوم ہو گا کہ جس وطن میں وہ پیدا ہوا ہے اور جہاں جس کے دوست و عزیز ایک ساتھ رہتے ہوں اور جہاں ان کے عزیز مدفون ہوں اس زمین سے اسے محبت نہ کرنا کس قدر جائز ہو سکتی ہے۔ صرف جاہل' بے ایمان اور بے غیرت ہی ایسی بات کر سکتے ہیں اور ان کے پیروکار ان کو کتنا بھی بڑھاتے چڑھاتے اور خطابات دیتے رہیں۔ وطن کو بت سمجھنا' اہل تصوف کے پاس ایسا گناہ ہے جیسے مجازی معشوق کو حقیر سمجھنا۔

"حیف تنین کي هوء، وطن جن وساريو."

وہ حقیر ہیں جن کو وطن کی محبت نہیں ہے۔

غلام مرتضیٰ

تیسری سندھ ثقافتی کانفرنس میرپور بٹھورو
(3 ستمبر 1966ء)

عزیز بھائیو!

آپ کو یاد ہو گا کہ دس سال قبل 28 جنوری 1956ء کو مجھے میرپور بٹھورو میں اسی مقام پر مہرشاہ کے عرس پر منعقد کی گئی ادبی کانفرنس کا افتتاح کرنے کے لئے بلایا گیا تھا اور اس موقع پر میں نے "سندھی ادب کیوں اور کس لئے" پر تقریر کی تھی۔

اس زمانے میں سیاست میں مصروف ہونے کے سبب کبھی کبھار اتفاقاً ادبی محفلوں میں حصہ لینے کا موقع ملتا تھا۔ اب جب کہ سیاست سے کنارہ کش ہونے کے سبب تمام توجہ کلچرل مسائل کی طرف کی ہے تو گزشتہ چار ماہ میں یہ تیسری کانفرنس ہے جس کو خطاب کر رہا ہوں۔

ادب اور کلچر کے خیر خواہوں کی اگر دلچسپی کی رفتار یہی رہی تو ممکن ہے کہ ہم مختصر عرصے میں سندھ کے گوشے گوشے میں محبت' امن اور عوامی خیرسگالی کا پیغام پہنچا پائیں گے۔

پہلی کانفرنس 23 جون ٹھٹھہ میں سید عالی شیرازی علیہ کے عرس پر سید علی اصغر شاہ سجادہ نشین سید عالی شیرازی کے زیر صدارت ہوئی۔ اور دوسری کانفرنس یکم اگست کو حضرت داد شہید علیہ کے عرس پر بڈھا پور میں میاں غلام حیدر شاہ کے زیر صدارت ہوئی تھی۔ یہ تیسری کانفرنس ہے جس میں ہم اکٹھے ہوئے ہیں۔

مجھے معلوم نہیں ہے کہ حاضرین میں سے کتنے حضرات نے میری گزشتہ دو تقاریر سنی یا پڑھی ہیں جیسے کہ یہ تقاریر خاص مقصد کے لئے سلسلے وار کی جا رہی ہیں۔ اسی لئے اس مسئلے میں دلچسپی لینے والے حضرات کو گزارش کروں گا۔ کہ اگر کسی نے یہ گزشتہ تقاریر سنی یا پڑھی نہ ہو تو ان کو ان تقاریر کو پڑھنا چاہئے۔ نہیں تو قوی امکان

ہے کہ اس تقریر میں ذکر کی ہوئی باتوں کو سمجھنے میں انہیں دشواری ہو گی۔

یہ تقاریر اخباروں' رسالوں یا چھوٹے کتابچوں میں شائع کر کے تقسیم کی جاتیں ہیں اسی لئے ان کا ملنا مشکل نہیں۔ آئندہ انشاء اللہ یہ ارادہ ہے کہ نہ صرف میری تقاریر بلکہ کانفرنس میں پڑھے ہوئے مقالے اور اہم شاعروں کے شعر بھی شائع کر کے تقسیم کئے جائیں گے۔

حضرت داد شہید کی کانفرنس کے وقت ان مجالس کا ذکر کرتے ہوئے ظاہر کیا تھا کہ مجھے سندھیوں کی پسماندگی اور کمزوری کے چار وجوہات نظر آئی ہیں ____

1- مفاد پرستی اور خودنمائی۔

2- قومی شعور کی عدم موجودگی۔

3- نفرت اور نفاق۔

4- بزدلی اور بے غیرتی۔

ان باتوں کو مختصر ذکر کرنے کے ساتھ ان کے علاج کی بابت اپنی رائے کا بھی اظہار کیا اور قوم کی تیسری کمزوری نفرت اور نفاق کا بیان کرتے ہوئے اس کے مندرجہ ذیل اسباب بتائے تھے۔

1- مذہب کی غلط تشریح۔

2- ذاتی اور طبقاتی مفاد کے لئے مقابلے۔

جیسے کہ ان کانفرنسوں کا مقصد لوگوں کے نفسیاتی اور اخلاقی کمزوریوں کو دور کرنے کے لئے تعلیم و تربیت دینا ہے' اس لئے میں نے ارادہ کیا ہے کہ رفتہ رفتہ مختلف مجالس مین مذکور شدہ قومی کمزوریوں کو رفع کرنے کے لئے اپنی تجاویز پیش کروں گا۔ اس کانفرنس میں "نفرت اور نفاق" کی وجہ "مذہب کی غلط تشریح" پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔

سائنس دانوں کے مشاہدات کے مطابق اس زمین پر زندگی یا جاندار اشیاء کے آثار کروڑوں برسوں سے ہیں اس عرصے میں زندگی ذہنی ارتقاء کے مختلف مراحل طے کر کے آخر کار بنی نوع انسان کی صورت میں نمودار ہوئی۔ جن کو عالموں نے اشرف المخلوقات کے لقب سے یاد کیا ہے۔

سائنس دان انسان کی ابتدائی پیدائش کے تجسس کے بعد یہ کہہ پائے ہیں کہ

زمین پر انسان کے وجود کے آثار لاکھوں برس سے ہیں۔ یہ بھی بات عیاں ہے کہ ابتداء میں انسان جنگلوں اور پہاڑوں میں دوسرے جانوروں کی طرح زندگی گزارتے تھے۔ جن کو اس وقت جانور پالنے، کاشت کرنے، آگ کو استعمال میں لانے یا اوزاروں کی ایجاد کا پتہ نہیں تھا۔ ننگے ہجوم کی صورت میں پھرتے رہتے تھے۔ ان کی گزر اوقات درختوں کے پھل، پتے، جنگلی جانوروں کے کچے گوشت اور مچھلی وغیرہ سے ہوتی تھی اور ان کی کوئی رہائش نہیں تھی وہ جانوروں کی طرح غاروں یا درختوں کے گھنے جھنڈوں میں گرمی اور سردی سے خود کو بچاتے تھے۔

اس زمانے میں انسانوں کو اپنے بچاؤ کے لئے کتنی ہی مشکلات سے مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ جن میں سے اہم مشکلاتیں مندرجہ ذیل قسم کی تھیں:۔

1- سماوی آفات:۔

جس میں گرمی، سردی، سخت بارشیں، سیلاب، قحط، زلزلے اور آگ کا لگنا۔

2- غیبی طاقتوں اور جانوروں کے خوف و خطر:۔

نامعلوم ہستیوں جیسے کہ دیو، جن، بھوت اور شیطانی روحوں وغیرہ سے ایک طرف ان کو خوف رہتا تھا تو دوسری طرف شیروں، ہاتھیوں، گینڈوں، ریچھوں، سانپوں، مگرمچھوں اور دوسرے کئی خطرناک جانوروں سے ڈرتے تھے۔

3- اتفاقی حادثات:۔

وبائی امراض، طاقتور لوگوں کے حملے، گزر اوقات کی تنگی، اتفاقی موت، عورتوں اور معاشی باتوں پر جھگڑے وغیرہ۔

ان مشکلات نے انہیں وہم پرست اور ہر وقت خوف و خطر میں رہنے پر مجبور کر دیا۔ رفتہ رفتہ ان کی توجہ ان باتوں کے اسباب اور بچاؤ کی طرف مائل ہوئی۔ جس کے لئے انہوں نے دو طریقے اختیار کئے۔

1- جسمانی بچاؤ اور حفاظت کا طریقہ۔

2- نفسیاتی اور ذہنی بچاؤ کا طریقہ۔

پہلے طریقے کے بچاؤ:-

پہلے طریقے کے بچاؤ کے لئے انہوں نے ہزار ہا برسوں کے تجربے کے بعد مندرجہ ذیل باتوں کے علم اور ایجاد سے فائدہ حاصل کرنا شروع کیا۔

(ا) گزر اوقات کے لئے شکار کرنے کی بجائے انہوں نے دودھ دینے والے مویشیوں کو گوشت اور دودھ کے لئے پالنا شروع کیا۔

(ب) خوف ناک جانوروں اور بیرونی حملوں سے بچنے کے لئے انہوں نے لکڑی اور پتھر سے اوزار بنائے اور اپنی حفاظت کے لئے انہیں استعمال کیا۔

(ج) درختوں کے پھل اور پتوں پر گزر کرنے کی بجائے جو کہ ہر موسم میں حاصل نہیں ہو سکتے تھے انہوں نے پودوں سے اناج جمع کرنا شروع کیا۔

(د) جنگلات میں درختوں کے آپس میں رگڑ کھانے اور پہاڑوں کی آتش فشانی کے دوران انہوں نے آگ پیدا ہوتے دیکھی۔ اور اس سے پکی ہوئی چیزوں کے دیرپا اور لذیز ہونے کا تجربہ انہیں حاصل ہوا۔ اسی لئے آگ کو محفوظ کرنے یا لکڑی کو گھسانے اور پتھر کے وسیلے سے آگ پیدا کرنا سیکھی۔

مذکورہ چار ایجادوں یا دریافتوں نے ان کی جسمانی تکالیف میں کسی حد تک کمی کر دی۔

دوسرے طریقے کے بچاؤ:-

ہزارہا برسوں کے خیالوں اور غور و فکر کے بعد ان کے دماغ میں کچھ خیال اور وہم میں بیٹھ گئے' جن میں اہم یہ ہیں:-

(ا) دنیا کی ہر ایک مادی شے میں روح یا جوہری نفس ہے۔ جو ان اشیاء کے زندہ یا مرنے کے بعد بھی علیحدہ ہستی رکھتا آ رہا تھا۔ یہ روح حالانکہ ظاہری طور پر نظر نہیں آ رہی تھی لیکن کچھ آثاروں سے ان کے وجود کا انہیں یقین تھا۔ سماوی آفات' نا معلوم طاقتوں اور جانوروں کے خوف اور اتفاقی حادثوں کے ہر نقصان کے لئے انہوں نے ان روحوں کی ناراضگی کو ذمہ دار قرار دیا تھا۔ ان حالات کے تحت یہ سورج' چاند' تاروں' ہواؤں' بادلوں بارشوں' آگ' زمین' پہاڑوں' پانی' جانوروں اور مرے ہوئے

لوگوں کے روحوں کو مان رہے تھے۔ اور یہ طوفانوں' بارشوں' آگ' قحط' وبائی امراض' اتفاقی اموات اور زلزلوں اور دوسری ایسی نقصان دہ باتوں کا سبب سمجھ رہے تھے۔ جیسے کہ ابھی تک لوگ وحشی اور درندے کی حالت میں تھے۔ اور رحم اور پیار کی صفت سے مانوس نہیں تھے۔ اسی لئے وہ سمجھنے لگے تھے کہ یہ روح جن کو وہ دیو' جن' بھوت وغیرہ کے نام سے پکارتے تھے وہ تمام خون خوار' خطرناک اور ظالم تھے۔ اور وہ خوشامد (پوجا)' خوراک پیش کرنے' کریاکرم' قربانی کے خون دینے' وظائف' منتر اور جادو ٹونے کے طریقے کے سوا راضی ہو نہ پائیں گے۔ اسی لئے ہر ایک قبیلے کے عالم اور قابل آدمی نے ان کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے مختلف حل تلاش کیے تھے۔

(ب) ان کو برسہا برس کے تجربے کے بعد کچھ اشیاء کا بنیادی طور پر سعد اور نحس ہونے کے متعلق وہم بیٹھ گیا تھا۔ جس کے سبب مختلف قبیلوں کے پاس مادی اشیاء یا جانور پاک اور پلید شمار ہونے لگے۔ اس کے مطابق وہ ہر پاک شہ یا جانور کو بخت آور سمجھ کر اس کی پوجا یا احترام کرنے لگے تھے۔ اور ہر پلید شہ یا جانور کو بدبخت یا نقصان دہ سمجھ کر خوف اور نفرت کی نگاہ سے دیکھ کر اس کی مخالفت کرنے لگے۔ جانوروں کے پاک اور پلید ہونے کی بنیادی وجہ اس قسم کا وہم تھا۔ اسی لئے ہر قبیلے میں کچھ پاک اور کچھ پلید جانور شمار ہونے لگے۔ گائے کا پاک اور سور کا پلید شمار ہونا اس بنیادی وہم کی وجہ سے ہوا۔ اور لوگوں اور قبیلوں میں جانوروں کے نام یا قومی نشان اس کے تحت پڑے۔ اس وقت دنیا میں کسی بھی مذہب' قبیلے اور قوم میں کم ہی لوگ ہونگے جن میں ابھی تک کسی نہ کسی صورت میں یہ اعتقاد اور دستور بیٹھے ہوئے نہ ہوں۔۔۔

روسیوں کا قومی نشان ریچھ' جرمنوں اور امریکیوں کا عقاب اور چینیوں کا اژدھا ہے۔ ہندوؤں کے پاک جانور گائے اور بندر ہیں اور مسلمانوں میں شیر کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جس کے سبب لوگوں کے نام اسد اللہ اور شیر شاہ اور قبیلوں کے نام مزاری اور بنو اسد ہیں۔

(ج) عورتوں کے حصول' اشیاء کی تقسیم اور مختلف باتوں پر ہونے والے باہمی جھگڑوں کو دفع کرنے کے لئے صدیوں کے تجربے کے بعد ہر ایک قبیلے کے اہم یا سمجھدار لوگوں کے مشورے سے مذکور شدہ مسائل کے حل کے لئے کچھ دساتیر یا رواج مقرر کیے گئے۔ جن کو وہ روایات کے موجب پاک اور ضروری سمجھنے لگے۔

ان تمام باتوں نے دنیا میں آج کے مروج عالمگیر یا ثانوی مذاہب کی ترکیب اور ساخت کے لئے مواد پیدا کیا۔ جن کی بنیادوں پر انہوں نے موجودہ ترکیبی صورت اختیار کی۔ اس وقت دنیا میں عالمگیر مذاہب جیسے کہ:۔

1- ہندو مت

2- بدھ مت

3- عیسائیت

4- اسلام

اور دوسرے چھوٹے مذاہب جیسے کہ:۔

1- جین مت

2- زرتشت

3- یہودیت

4- تاؤ مت

5- کنفیوشس

6- شنتو مت

یہ تمام اس مواد پر تعمیر شدہ ہیں۔

یہ تمام مذاہب گزشتہ پانچ ہزار برسوں کی پیداوار ہیں لیکن لوگ دنیا میں لاکھوں برسوں سے موجود ہیں۔ ان تمام کے پاس کسی نہ کسی صورت میں کچھ عقائد' دستور' کریا کرم' رسم و رواج رہتے آئے ہیں۔ اس لئے دنیا کے قانون ارتقاء کے موجب جس کو جدید زبان میں دین فطرت (قانون فطرت) کہا جا سکتا ہے۔ اور یہ مذاہب' قانون ارتقاء کے نتائج ہیں۔

ان مذہبی رہنماؤں نے عقائد' دستور' کریا کرم (عبادت) وغیرہ کی روایتی باتوں کے مدنظر زمانے کے بدلے ہوئے حالات' وقت کے تقاضے اور معاشرے کی ضروریات کے سبب ان میں ترمیم کر کے انہی بنیادوں پر اپنے مذاہب کے نئے نام اور طریقے' خدا اور فوق العقل الہامی بنیادوں پر لوگوں کے سامنے پیش کیے جس طرح سے کنبے مل کر ایک قبیلہ بن کر بعد میں قوم کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ جس طرح گاؤں چھوٹے شہر' تحصیل مل کر ضلع بن کر صوبوں کی شکل اختیار کر کے ملک بنتے ہیں' اس طرح

مختلف قبیلوں کے عقائد' روایتی دستور' کریا کرم' رسم و رواج اور عبادت کی بنیاد پر کچھ نئے اضافوں سے عالمگیر مذہب بنے۔ تمام مذاہب کی بنیادی پیدائش کے محرک جذبے خوف اور امید تھے۔ اور ان تمام کا مقصد اتحاد بنی نوع' امن اور خوشحالی تھا۔

ملکی شہنشاہیت کی طرح عالگیر مذاہب بھی نظریاتی سامراج ہیں۔ فرق دونوں میں یہ ہے کہ ملکی سامراج طاقت کے اختیار (Authority) پر قائم رہتے ہیں۔ اور مذہبی سامراج نظریاتی اور فوق العقل الہامی عقائد' روایات اور قدیم مذاہب کی بنیاد پر قائم کیے گئے ہیں۔ مذکورہ شدہ عالمگیر مذاہب میں سے ہر ایک کا دعوی رہا ہے کہ ان کے پاس ہی بنی نوع کے تمام مسائل کے حل کے لئے طریقہ حیات کا مکمل نمونہ یا دستور موجود ہے۔ اور اس سے ہی لوگوں کی نجات ہو سکتی ہے۔ تازہ ان نظریاتی سامراجوں میں ایک نیا اضافہ ہوا ہے۔ جس کو "کمیونزم" کہا جاتا ہے۔ دعوی اس کا بھی یہی ہے۔ کہ بنی نوع کے تمام مسائل کا حل' ان کے بتائے ہوئے طریقے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس کی بنیاد کسی فوق العقل الہامی اختیار کے بجائے' مارکس اور لینن کے بتائے ہوئے طریقوں کے موجب' عقل اور تاریخی ارتقاء کے مادی قوانین پر مشتمل ہے۔مذاہب میں بھی کتنوں کا طریقہ لوگوں کو زیر تسلط لانے کے لئے جہاد اور تبلیغ میں ہے' کمیونزم کا بھی ایک گروہ جہاد کے عقیدے میں اعتقاد رکھتا ہے۔

آپ اگر مذاہب کی چھان بین کریں گے تو ان کا دارومدار مندرجہ ذیل چار صیغوں یا ترکیبی جزو میں دیکھنے میں آئے گا۔

1- الاہیات یا روحانیت:۔ اس صیغے کے وسیلے کائنات کی پیدائش' ان کے اسباب' منصوبہ' مقاصد کا تجسس' روح کا وجود' ابتداء اور آخرت اور دوسری اس قسم کی رموز الہی کا علم حاصل کیا جاتا ہے۔ جو کام دراصل راسخ العلم' صاحب فکر' ولیوں' اچاریوں' سنتوں (SAINTS) اور فلسفیوں کے ہاتھ میں رہا ہے۔

2- طریقت:۔ اس صیغے کا واسطہ لوگوں کی نفسیاتی' اخلاقی اور ذہنی خامیاں دور کر کے' ان کی اصلاح نفس' اخلاقی درستگی اور حق کی تعلیم اور تربیت دینے سے رہا ہے۔ اتحاد بنی نوع' امن تہذیب اور تمدن اس کے ذریعے ہی حاصل ہوتے ہیں۔

یہ کام ہمیشہ مصلحوں، صوفیاء اور ثقافتی دائرے میں کام اور بہبود کرنے والے حضرات کے ذریعے ہی ہوتا رہا ہے۔

3- عبادت:۔ اس صیغے کا تعلق خدا تعالیٰ، بزرگ ہستیوں، غیبی طاقت کی رضامندی اور خوشنودی اور نجات آخرت اور تسکین قلب رہا ہے۔ یہ بات عابدوں، زاہدوں، بھگتوں، اور مانکس (MONKS) کے ہاتھ میں رہی ہے۔ آج کل ملا اور مولوی بھی اس کام کی تائید اور تبلیغ کرتے رہتے ہیں۔

4- فقہی قانون:۔ جس کو آج کل "شریعت" کہا جاتا ہے۔ اس صیغے سے جن باتوں کا واسطہ ہے، ان پر آج کل حکمرانوں کا مکمل قبضہ ہو چکا ہے۔ تاریخی ارتقاء، مغربی ممالک کے تجربے اور تعلیم سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ شرعی قوانین کا وقتی تقاضوں، معاشرے کی تبدیلی اور ملکی حالات کی ضروریات کے مطابق وقت بہ وقت تبدیل ہونا ضروری ہے۔ اسی لئے رفتہ رفتہ یہ کاروبار حکمرانوں کے ہاتھ میں آ گیا ہے۔ پسماندہ ممالک میں ملا، پنڈت اور پادری ابھی تک مذہبی شریعت کے نظام برتری اور اس کے مطابق مختلف اقوام میں لوگوں کی تقسیم اور باہمی مقابلے کی تبلیغ کرتے رہتے ہیں، لیکن اس کا نتیجہ نفاق اور اختلاف کے سوا کچھ نہیں ہے۔

غور سے اگر نظر کی جائے تو مذاہب کے مذکور شدہ صیغوں کے فرائض منصبی علیحدہ علیحدہ رہے ہیں اور ان کا تمام کاروبار بھی اپنے خاص ماہروں کے ذریعے ہی چلتا رہا ہے۔ لیکن گزشتہ تقاریر میں جیسے کہ بیان کر چکا ہوں کہ کتنے ہی حضرات ہر فن مولا بن کر، تمام صیغوں کی مہارت کا دعویٰ کر کے، اجارہ داری (MONOPOLY) کرنا چاہتے ہیں۔ یہ باتیں ان لوگوں یا اس طبقے کا مستقل مفاد (VESTED INTERESTS) ہو چکے ہیں۔ اسی لئے ▪ کسی سوچ سمجھ کے بغیر تمام باتوں کو ایک ساتھ چلانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ جس کے سبب مذہب کو صحیح طرح سمجھنے اور اس کی حقیقی تشریح میں الجھاؤ پیدا ہو چکا ہے۔ اسی لئے مذاہب لوگوں کی صحیح رہبری کرنے اور ان میں اتحاد، امن، تہذیب اور تمدن لانے کی بجائے، تعصب، نفرت، نفاق، بدامنی اور رجعت پسندی کے سبب بن چکے ہیں۔

تاریخ کے اس اہم دور میں ہر کام صحیح حضرات کے حوالے ہونا چاہیے۔ وہ حضرات جو مذہب کے مختلف صیغوں کے علم سے پوری طرح نہ واقف ہونے کے باوجود ہر بات میں ٹانگ اڑانا چاہتے ہیں' وہ مذہبی تعلیم کو فائدے کی بجائے نقصان پہنچاتے ہیں۔ مذہب سے منحرف ہونا کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ شاہ لطیف علیہ نے ایسے لوگوں کے لئے فرمایا ہے کہ :-

تن طبيب نه توُن، جو ڄاڻ نه لهين سور جي،
وجهه پنهنجا ڏيڙا، ڪڏ ڪٿي ٻيون!

(شاھ)

تمہیں درد کی خبر نہیں ہے۔ تم طبیب نہیں ہو سکتے۔ یہ اپنی دوائیں اپنے پاس ہی رکھو۔

بدقسمتی سے برصغیر ہندو پاک میں اسلام اور ہندو مت کی تبلیغ اور رہبری ایسے حضرات کے ہاتھ میں آئی ہے۔ جو مذکور شدہ مذاہب کے مختلف صیغوں کے جدا فرائض منصبی سے ناواقف تھے یا اپنے طبقاتی مفاد کی خاطر دانستہ طور پر ان صیغوں کو ملا کر اور لوگوں کو گمراہ کر کے اپنے زیر تسلط رکھنا چاہا تھا۔

لیکن دونوں مذاہب سے باخبر ایسے بھی حضرات تھے جن کو صحیح حقائق معلوم تھے اور تمام مذاہب کے پیچھے بنیادی وحدت دیکھی تھی۔ ہندوؤں میں ویدانتی' کبیر بھگت اور گرونانک وغیرہ نے اس بات کو سمجھ کر اس کی تبلیغ کی۔ اور مسلمانوں میں اکثر وحدت الوجودی صوفیائے کرام نے اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا۔

اسی لئے وہ "صوفی لاکوفی" کہلانے لگے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ کسی فرقے یا گروہ کے پابند نہ تھے۔ آج کل کی زبان میں انہیں "غیر جانبدار" (NON-ALIGNED) کہا جاتا ہے۔ انہوں نے :-

خذما صفادع ماکدر

ترجمہ:۔ اچھی بات قبول کرو۔ اور خراب کو چھوڑ دو پر عمل کیا۔ ان کا دوئی کے ساتھ کوئی بھی تعلق نہیں تھا۔ جس طرف بھی وہ نظر کر رہے تھے۔ اس طرف انہیں محبوب نظر آ رہا تھا۔ شاہ لطیف نے فرمایا ہے کہ :-

ڏسڻ جي ڏسين، ته همه کي حق چوين،
شارڪ شڪ ۾ نين، انڌا انهيءَ ڳالهه ۾!

(شاهه)

اگر تم حقیقت کی نگاہ سے دیکھو تو خدا کو حق کہو گے۔ اے شرک کرنے والے اس مین شک۔ اے اندھے تو نہ کر۔

یہ اس رموز کو سمجھ چکے تھے۔ اور اس گروہ میں نہیں ہیں۔ جن کے لئے شاہ لطیف نے فرمایا ہے کہ:۔

ڦريا ڦسي ڦيڻ، ڪرڻ کير نه، چکيو،
دنيا خاطر دين، وڃائي ولها ٿيا!

(شاهه)

جھاگ کو دیکھ کر اس میں یہ مگن ہو گئے۔ ان بے حالوں نے دودھ کو چکھا ہی نہیں۔ اور دنیا کی خاطر وہ دین گنوا کر بے حال ہو گئے۔

صوفیوں کو معلوم تھا کہ مذاہب لوگوں کے لئے پیدا ہوئے ہیں نہ کہ لوگ مذاہب کے لئے۔

اس نقطہ نگاہ سے صوفیوں نے وحدت مذاہب' اتحاد بنی نوع اور عالمی امن اور ترقی کو اپنا بنیادی مقصد بنا کر اپنے سامنے رکھا تھا۔ لوگوں نے لاکھوں برس کے مقابلے میں گزشتہ چھ' سات ہزار برس کے مختصر عرصے میں تہذیب و تمدن کی راہ میں خاصی ترقی کی ہے۔ لیکن باوجود اس کے لوگوں کے اہم مسائل—— اتحاد' امن' فرخندہ حالی اور صحیح علم وغیرہ کے مسائل ابھی تک حل ہو نہ پائے ہیں۔

انسانی معاشرہ ترقی یافتہ ممالک میں اس ارتقائی منزل تک پہنچ چکا ہے کہ مذکور شدہ چار صیغوں کے فرائض منصبی کی تمیز ان میں پیدا ہونے لگی ہے۔ اور ہر ایک صیغے کا کام مختلف ماہروں کے ہاتھوں میں آ رہا ہے۔

پہلے صیغے کے حل کے لئے سائنس دان' ولی اللہ' یوگی اور فلسفی تجسس کر رہے ہیں—— اس مادی دور میں حالانکہ اس طرف اتنی توجہ نہیں دی جا رہی ہے۔ جس قدر یہ صیغہ مستحق ہے۔ یہ لوگ "لوگوں کے درمیان چھپے ہوئے ہیں" کی مثال کی طرح انگلیوں پر گننے جتنے مشکل ہوں گے ڈیرے' خانقاہیں' آشرم اور موناسٹریاں آج ان سے خالی ہیں۔ شاہ لطیف نے فرمایا ہے کہ:۔

ويا سي ونجهار ، هيرو لعل ونڊن جي،
تن سندا پوئيان ، سيبي لهن نه سار ،
ڌتين ڌڪ لوهار ، تنين سندي پيڙهين !

(شاعر)

جو ہیرے اور موتی پرکھتے تھے جوہری چلے گئے۔ ان کے وارثوں کو کچھ معلوم نہیں۔ آج ان مقامات پر لوہار آ گئے ہیں۔

دوسرے صیغے کا کام:۔ مسلمانوں میں صاحب طریقت صوفیوں کے حوالے رہا ہے۔ اس کام کو آج کل کلچر اور ثقافت کہا جاتا ہے۔ یہ لوگوں کی اخلاقی اور نفسیاتی کمزوریوں کو دور کر کے، بنی نوع کے اتحاد، امن، تہذیب اور تمدن کے حصول کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔

تیسرے صیغے کا کام:۔ ملا، پادریوں اور بھگتوں کے حوالے ہے۔ کیونکہ عابد اور زاہد آج کل عنقا ہیں۔ یہ اپنی سمجھ کے موجب عقیدت مندوں کی رہبری کر رہے ہیں

چوتھے صیغے کا کام:۔ حکمرانوں کے ہاتھ میں ہے جو مختلف نظریات اور طریقہ کار سے ملکی، سماجی، اقتصادی، عدالتی اور امن و امان کے مسائل حل کرنے کے لئے کوشاں نظر آتے ہیں۔ البتہ پسماندہ ممالک میں پنڈت اور ملا اپنے اپنے مذہب کے نام میں جدا شرعی اور سماجی نظام برقرار رکھتے آئے ہیں۔ عملی طور پر حالانکہ اس صیغے کے فرائض میں ان کا کوئی بھی ہاتھ نہیں رہا ہے۔ اور نہ آنے کا امکان ہے۔ لیکن عوام کو اپنے زیر تسلط رکھنے کے لئے یہ راگ الاپتے رہتے ہیں۔

ہماری اس بزم کا مذہب کے دوسرے صیغے سے واسطہ ہے۔ جس کو طریقت یا کلچر کہا جاتا ہے۔ ہم خود کو صوفی، تقصف یا کلچرسٹ کہلا سکتے ہیں۔ ہمارے کام کا دائرہ مخصوص اور محدود ہے۔ ہم کسی کے خلاف نہیں ہیں۔ اور نہ ہی کسی کے پیروکار ہو کر رہنا پسند کریں گے۔ ہمارا نہ صاحب شریعت حضرات سے اختلاف ہے نہ ہی کمیونسٹ گروہ سے۔ اور ہم کاروبار حکومت میں دست درازی کرنا نہیں چاہتے ہیں۔

"رموز مملکت خود خسروان دانند"

سے سبق حاصل کر کے کہتے ہیں کہ "حکران جانے ان کا کام جانے" اسی لئے

سیاسی معاملات سیاستدانوں کے ہی حوالے کرتے ہیں۔ ہم

"لکم دینکم ولی دین"

ترجمہ:- آپ کو اپنا دین ہمیں ہمارا دین۔

آج کل اس اصول کو بقاء باہمی (CO- EXISTENCE) کے نام پر دنیا کی اکثریت قبول کر چکی ہے۔ ہم اپنے طور پر "خاموش" خدمت خلق کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس کے لئے ہمارے گروہ میں کام کرنے والے حضرات کو مندرجہ ذیل باتوں کی بابت ذہن صاف کرنا ہوگا۔

کثرت مذاہب کے پیچھے بنیادی وحدت کو مان کر' مذاہب کے نام پر بنی نوع کے درمیان کھڑی ہوئی دیواروں کو گرانا ہے۔ شیخ سعدی علیہ نے فرمایا ہے۔

بنی آدمی اعضائے یکدیگراند کہ در آفرینش زیک
جوھراند
جون یک عضوبدرد آورد روزگار ہمہ عضوھا لہاند قرار

ترجمہ۔ تمام انسان ایک ہی جسم کے جزو ہیں۔ اور یہ خلقت میں ایک ہی جوہر سے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ بدن کے ایک عضو کے درد ہوتا ہے۔ تو تمام عضو بے قرار ہو جاتے ہیں۔

2- ہر وہ بات جو بنی نوع میں نفاق اور نفرت پیدا کرتی ہے' وہ کیوں نہ خدا' رسول' اسلام اور ملک وغیرہ یا دوسرے دلکش ناموں سے ظاہر کیے جائیں۔ ہمیں ان سے دور رہنا ہے۔ کیونکہ یہ بات ہمارے اسلام (دین امن) کے بنیادی مقصد کے خلاف ہے۔ شیخ سعدی نے فرمایا ہے:-

تو برای وصل کردن آمدی نی برای فصل کردن آمدی

ترجمہ:- انسان دنیا میں اتحاد اور محبت کے لئے آیا ہے۔ نہ کہ جدائی اور نفاق کے لئے۔

اس بات کے مدنظر ہم کو وحدت بنی نوع کے لئے کوشش کرنی ہے۔ اور نہ ہی وحدت مسلمانی کے لئے۔ ہمارا ایمان "رب العالمین" پر ہے۔

3- ہم سمجھتے ہیں کہ انسانی معاشرہ تاریخی ارتقاء کے اس منزل پر پہنچا ہے۔ جہاں کاروبار حکومت' نظام ملک' معاشی اور سماجی مفاد کے کام' ترقیاتی تجاویز' ملک کا

امن امان اور انصاف ملک کے حکمران کے ہاتھ میں ہونا چاہیے۔ مذہبی شریعتوں کا اس ملک کے کاروبار میں کوئی بھی دخل نہیں ہونا چاہیے۔ پسماندہ ممالک میں حکمران سیاسی مصالحت کی خاطر مذہبی رہنماؤں کو زبانی طرح خوش کرنے کے لئے کچھ بھی کہیں لیکن ہمارے کارکنوں کو یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے کہ مذہبی شریعت کا سیاسی معاملات سے واسطہ ملکی مفاد میں نہیں ہے۔

4- ہم عقیدے اور خیال کی آزادی کے حامی ہیں' اور اس کو اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں۔ اسی لئے دوسروں کی دست درازی یا زیر اثر ہو کر اس حق سے دست بردار نہیں ہوں گے۔ اس طرح سے ہم دوسروں کے عقائد اور خیالوں میں دست درازی کرنا نہیں چاہتے۔ یہی وجہ ہم اپنے لئے دوسروں سے بھی رکھتے ہیں۔

5- ہم عدم تشدد اور اہنسا کے حامی ہیں۔ اپنے عقیدے اور خیال کا اظہار محدود دائرے میں' تالیف قلوب اور رموز محبت کے ذریعے کرنا چاہتے ہیں۔ جبر اور ظاہری پروپیگنڈا میں ہمارا ایمان نہیں ہے۔ مذہبی جہاد کے مخالف ہیں۔ اور نفس کے مارنے کو ہی جہاد اکبر سمجھتے ہیں۔

6- ہمارا یہ ایمان ہے کہ سرزمین سندھ اور اس کے صوفیائے کرام کو بنی نوع' امن عالم اور دنیا کے لئے خاص پیغام ہے۔ ہم اس سفارت (مشن) کے سفیر ہیں۔ ان باتوں کے متعلق تفصیلی گفتگو پبلک پلیٹ فارم سے کرنا ہمارے اصولوں اور مصلحت وقت کے خلاف ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ یہ باتیں اعتقادی اختلافات کا باعث بن جائیں اور جس کے سبب ہمارے بنیادی مقصد' امن اور اتحاد میں رکاوٹ پڑ جائے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اہل طریقت میں دو گروہ رہے ہیں۔

1- مجذوب
2- سالک

مجذوب:۔ اس کو کہا جاتا تھا جس نے جس بات کو حق سمجھا اس کو نقارے کی چوٹ پر علی الاعلان ظاہر کیا۔ اس میں انہوں نے حکمرانوں' علماء شریعت اور عام رائے کی پرواہ نہیں کی۔ اور جس کی پاداش میں انہیں سخت سزائیں بھگتنا پڑیں۔ اس راہ

میں منصور حلاج، شمس تبریز، مخدوم بلاول، سرمد شہید اور شاہ عنایت جیسے بزرگوں نے سر دے کر اعلیٰ مرتبہ حاصل کیا۔

سالکوں :- کے گروہ کو حقائق پوری طرح معلوم تھے لیکن مصلحت وقت، تقاضہ حالات اور عوام کی اہل شریعت کے تابع ہونے کے خیال سے انہوں نے مجذوبوں والی باتیں کھلم کھلا ظاہر کرنے کی بجائے ان کو دائرہ محدود میں، صیغہ راز، تشبیہات اور استعاروں میں بیان کیا۔ مولانا روم نے فرمایا ہے کہ :-

خوشت ان پاشد کہ سر دلبران گفتہ آید در حدیث دیگران

بہترین طریقہ یہ ہے کہ محبوبوں کے رموز کی باتیں دوسروں کے قصہ اور کہانی تشبیہات میں بیان کی جائیں۔ اس کے متعلق حافظ شیرازی نے بھی فرمایا ہے :-

مصلحت نیست کہ از پر[illegible] برون افتد راز
ورنہ مجلس رندان خبری نیست کہ نیست

یہ بات بہتر نہیں ہے۔ کہ مخفی رازوں کو پردے سے باہر نکال کر فاش کیا جائے۔ ورنہ رندوں کو ہر بات معلوم ہے۔

7- ہم وطن کی محبت کو ایمان کا جزو سمجھتے ہیں۔ اور اس کی ہر شے سے ہمیں پیار ہے۔ اور اس کی ہر طرح کی آزادی، حفاظت اور فرخندہ حالی میں ہمارا ایمان ہے۔ شاہ لطیف کے مندرجہ ذیل اشعار ہمارے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔

ڏاڏ نہ ڪنديس ڪو بيو، ڪَتيرو ئي خوب،
ميرو ئي محبوب، اسان مارو مَن ۾! (شاھ)

میں اور کوئی شوہر نہیں کروں گی۔ میرے لئے یہ دھسا اڑھنے والا ہی خوب ہے۔ جیسا بھی ہے میرا محبوب میرے من میں موجود ہے۔

ڳالهڙي، لهي ويا لوھ،
اندر جا اوڙھ، لٿا ڏک، سک ٿيا!

وطن کی بات سن کر میری زنجیریں اتر گئیں۔ اور من کے غم مٹ گئے۔ دکھ چلے گئے۔ اور سکھ آ گئے۔

الله ائين م هوءِ، جيئن آءٌ مران بند ۾،
ﭘﻬرين وڃان لوءِ، پوءِ مر پڄنم ڏينهڙا! (شاھ)

اے اللہ ایسے نہ ہو کہ میں قید میں مر جاؤں۔ پہلے میں وطن جاؤں پھر میرے دن پورے ہوں۔

(غلام مرتضیٰ)

بزم صوفیائے سندھ کے تحت 19 ستمبر 1966ء میں بھٹ شاہ کل سندھ ثقافتی کانفرنس میں محترم جناب جی۔ ایم سید کا افتتاحی خطبہ

عزیز بھائیو!

ماہ جون کے بعد یہ بزم صوفیائے سندھ کی چوتھی کانفرنس ہے۔ جس کو خطاب کر رہا ہوں۔ ٹھٹہ' داد شہید اور میرپور بٹھورو میں کانفرنسیں ہو چکی ہیں۔ آج سندھ کے عظیم سید اور فرزند کی مرقد "بھٹ شاہ" میں اکھٹے ہوئے ہیں۔

جن حضرات نے میرے گزشتہ خطبات کو پڑھا یا سنا ہے۔ ان کو خبر ہے کہ اس میں صاف ظاہر تھا۔ کہ سیاست سے میں نے کنارہ کشی کر کے' طریقت یا کلچرل تحریک کو کچھ خاص مقاصد سے ہاتھ میں لیا ہے۔ جن میں اہم مقصد' ہمارے قومی شیرازے کی مندرجہ ذیل بیان کی ہوئی کمزوریوں کو دور کرنا ہے۔

1- مفاد پرستی
2- قومی شعور کی عدم موجودگی
3- نفاق اور نفرت کا وجود
4- بزدلی اور بے ہمتی کی موجودگی

مذکور شدہ کمزوریوں کے اسباب میں ذکر کرتے ہوئے' گزشتہ خطبوں میں نفرت اور نفاق کے تین سبب بتائے تھے۔ (1) مذہب کی غلط تشریح (2) شخصی اور طبقاتی مفاد کے لئے مقابلے اور (3) فسطائی نظریات۔

میرپور بٹھورو کی کانفرنس میں مختصر طور پر نفاق کے پہلے سبب پر روشنی ڈالنے کی

کوشش کی تھی۔ اس مجلس میں اس کے دوسرے سبب پر اظہار خیال کروں گا۔

اس مسئلے کو پوری طرح سمجھنے کے لئے سندھیوں کے اہم گروہوں کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو مندرجہ ذیل ہیں :-

1- غریب عوام کا گروہ:- جس میں کسان' مزدور' مچھیرے' مویشی چرانے والے' چھوٹے تنخواہ دار نوکری پیشہ لوگ آجاتے ہیں۔

2- بڑے لوگوں کے گروہ:- جس میں زمیندار' سردار' پیر اور مالک جائیداد آجاتے ہیں۔

3- نوکر شاہی کا گروہ:- جس میں اعلیٰ افسران آجاتے ہیں۔

4- تاجر اور کارخانہ دار:- اس گروہ میں بڑے تاجر اور کارخانے دار شمار کیے جا سکتے ہیں۔

ان تمام گروہوں کی اگر طبقاتی بنیاد پر تقسیم کی جائے۔ تو پہلا گروہ غریب اور نچلے طبقے کا اور دوسرے تینوں گروہ بڑے طبقے یا ان میں شمار کئے جا سکتے ہیں اور ان کے مفاد متصادم نظر آئیں گے۔ لیکن سندھ کے حالات پر اگر گہرا غور کیا جائے گا۔ تو ما سوائے اہم کارخانے داروں اور سندھی مزدوروں کے' لوگوں میں ابھی تک طبقاتی شعور یا تصادم پیدا نہیں ہوا ہے۔ اس وقت سندھیوں میں جو مقابلے بازی ہے اس کی زیادہ تر بنیاد شخصی مفاد پرستی پر ہوگی۔

اگر ہم ذاتی مفاد کے لئے مقابلے بازی کے بنیادی اسباب کو تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔ تو وہ دو نظر آئیں گے۔

1- قبضے کی خواہش

2- خودی کی تعلیم

قبضے کی خواہش:- انسان کو حیوان ناطق یعنی بولنے والا جانور کہا جاتا ہے جس میں کچھ جبلی خواہشات عام جانوروں کی طرح فطرت کی طرف سے موجود ہیں۔ ان میں ایک خواہش قبضے کی ہے۔ اس خواہش کے مطابق ہر شخص میں روٹی کپڑا اور مکان کو ہتھیانے والے وسائل' زمین' پیسہ اور جائداد کو قبضے میں لانے کی خواہش رہتی ہے۔ اس کے مطابق جنسی خواہش پوری کرنے کے لئے عورت پر قبضہ کرنے کا پیدا ہوتا ہے۔ بدنی حفاظت اور خودنمائی کی خاطر اقتدار اور شہرت کو حاصل کرنے کا خیال بھی

ان میں رہتا ہے۔

جانوروں میں کچھ گوشت خور اور کچھ سبزی خور ہیں۔ پہلے طبیعت میں وحشانیت ہونے کے سبب اکثر علیحدہ رہنا پسند کرتے ہیں۔ ــــــ انسان دونوں کا مرکب ہے ــــ وہ گوشت بھی کھاتا ہے اور اناج اور سبزیوں پر بھی گزارہ کرتا ہے۔ اسی لئے دونوں قسم کے جانوروں کی عادتیں اور خواہشیں ان میں سمائی ہوئی ہیں۔ لیکن زیادہ تر اس کا رجحان مل کر رہنے کا ہے۔ جس کے سبب علم نفسیات کے ماہروں نے ان کو ملنسار (GREGARIOUS) یعنی ایک ساتھ رہنے والے جانوروں میں شمار کیا ہے۔ بہرحال اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ابتدائی دور میں گوشت کھانے کے سبب اس میں وحشیانی خواہش سما گئی ہے۔ جس سے مذکور شدہ اشیاء کے قبضے کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ مقابلے بازی کرنا بھی اس کی ایک خواہش ہے۔ یہ خواہش انسان میں فطری طور پر داخل ہے۔ جس کو اہل تصوف نے نفس آمارہ کے نام سے کہا ہے۔

دنیا کے تمام صالح حضرات' درویشوں اور اہل طریقت بزرگوں کی کافی عرصے سے یہ کوشش رہی ہے کہ صحیح تعلیم و تربیت کے ذریعے لوگوں سے حیوانی خواہشات نکال کر اور ان کے نفس کی اصلاح کر کے ان کو خلیق اور شفیق بنایا جائے۔ اس لئے وہ پہلے ان میں صحیح کے پیدا ہونے کے بعد انسانی نفس آمارہ کی حالت سے نکل کر' لوامہ کی صورت اختیار کرتا ہے۔ اس کے بعد ان میں قوت ارادی پیدا کر کے ان کو بہترین شے کو قبول کراتے ہیں۔ اور بری شے سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اس منزل تک پہنچنے پر نفس' مطمئنہ کا درج اختیار کرتا ہے۔ کلچر اور ثقافت کی تعلیم کا مقصد ہی یہی ہے جب انسان اس طرح رفتہ رفتہ ترقی کرتا ہے تو وحشیانی خواہشات سے آزاد ہو کر' مفاد پرستی اور اس سے پیدا ہونے والے نتیجے یعنی نفاق کو ترک کر کے' وہ قومی اور ملکی مفاد کو ترجیح دینے لگتا ہے۔ اور مہذب بن جاتا ہے۔

مغربی ممالک باوجود کتنی ہی خامیوں کے تہذیب و تمدن میں ہم سے زیادہ ترقی یافتہ ہو گئے ہیں۔ جس کے سبب ان میں قومی شعور پیدا ہوا ہے۔ اور ذاتی مقابلے بازی کو انہوں نے کم کر لیا ہے۔ ہم ابھی تک مفاد پرستی کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ نہ ہی قومی شعور پیدا کر سکے ہیں اور نہ ہی مجموعی مفاد کے لئے شخصی ایثار اور

قربانی کا مادہ ہم میں پیدا ہوا ہے۔ اس کا پہلا سبب یہ "قبضے کی خواہش" ہے۔

دوسرا سبب ـــــ خودی کی تعلیم ہے۔ کچھ عالموں، حکیموں اور رہنماؤں کی طرف سے لوگوں کو خودی کی تعلیم دی گئی ہے اور دی جا رہی ہے۔ اس تعلیم نے حیوانی خواہشات کو کم کرنے کی بجائے بڑھایا ہے۔

ٹٹيس ڪوبجن ، تن طبيب نہ گڏيا،
ڏيئي ڏنپ ڏڏن ، ھاٿان ڏيل ڏکوئيو !

(شاعر)

نیم حکیموں نے تو مجھے مار لیا۔ تن کو طبیب مل نہ پائے۔ جان کو داغ داغ کر انہوں نے جسم کو چور چور کر دیا ہے۔

خودی کو انگریزی میں (EGO) کہا جاتا ہے۔ اس سے نکلے ہوئے لفظ (EGOISM) کے معنی تمام لغتوں میں خود غرضی اور انانیت ہے۔ ڈاکٹر عبدالحق کی انگریزی سے اردو میں کی ہوئی ڈکشنری اور دوسری لغتوں نے اس کے معنی یہ کیے ہیں۔ سندھی میں اس کو انانیت کہا جاتا ہے۔

ذکر کر آیا ہوں کہ حیوانی خواہشات کے سبب لوگوں میں مفاد پرستی پیدا ہوتی ہے اور خودی اس کا نتیجہ ہے۔ اور یہ نفس آمارہ کی پیداوار ہے۔ اس سے نجات حاصل کرنے میں اصلاح نفس اور اخلاقی درستگی پیدا کر کے لوگ مہذب اور متمدن بنتے ہیں۔ اس لئے ہی تمام قوموں کے مصلحوں اور مذہب کے صاحب طریقت بزرگوں نے لوگوں کو خودی کو ختم کرنے کی تلقین کر کے، ایثار اور قربانی کی تعلیم دی ہے۔ جس کو اخلاقیات (ETHICS) کے ماہروں نے خدمت خلق (ALTRUISM) کی صفت کہا ہے۔ یونانی فلسفی افلاطون نے یہی تعلیم دی اور مسلمانوں کے اکثر فلسفیوں اور صاحب طریقت درویشوں نے بھی یہی درس دیا ہے۔

لیکن دنیا میں لوگوں کی اکثریت ابھی بھی ان حیوانی خواہشات سے خود کو آزاد کر نہ پائی ہے۔ جس کے سبب لوگ مفاد پرستی کے مرض میں مبتلا ہیں۔ انسان اگر برے کام کرتا ہے۔ تو اس کا جواز بھی تلاش کرتا ہے۔ کتنے ہی عالم اور صاحب عقل حضرات بڑے دلائل کے ساتھ اس خودی یا مفاد پرستی کے لئے اپنے اپنے جوازی نظریات تلاش کر لیتے ہیں۔ انہوں نے لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم کرنے کی کوشش کی ہے کچھ کو پاک اور دوسروں کو پلید، کچھ کو لائق اور دوسروں کو نالائق، کچھ پسندیدہ

یا منتخب شدہ اور دوسروں کو دھدکارے ہوئے یا پسماندہ کہا گیا ہے۔ اس نظریے کے اہم حامی یونان کے فلسفی ارسطاطالیس تھے۔ پارسی مذہب کی "دوئی" کا نظریہ (اھرمن اوراھرمز) اور تمام عالمگیر مذاہب کے صاحب شریعت بزرگ رہے ہیں۔

اسلام میں اس نظریے کے حامی ابتدا ہی سے رہے ہیں۔ اس نظریے کے تحت مسلمانوں کو دنیا کی منتخب (MODEL) یا مثالی قوم پیش کیا گیا ہے۔ اس نظریے کے سبب خلیفتہ المسلمین کے زیر سایہ سیاست اور مذہب کو ایک ساتھ کر کے' جہاد کے ذریعے دنیا پر غلبہ اسلام کی پالیسی اختیار کی گئی ہے۔ اس نظریے کے تحت اورنگزیب کی سیاسی پالیسی نے ہندوستان میں وجود پایا۔ اور اس نظریے کو علامہ اقبال نے جدید زبان میں برصغیر کے مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔ اور اس نے اپنی تعلیم کی بنیاد "خودی" کو بلند کرنے اور اس کو بڑھانے پر رکھی تھی۔

خودی کی کونسی بھی تفسیر کی جائے' اس کو شخصی خودی یا قومی خودی کہا جائے' بہرحال اس نظریئے کے پیچھے مندرجہ ذیل دو باتیں موجود رہتی ہیں:۔

(1) حیوانی مفاد پرستی کی خواہش ترقی یافتہ شکل میں۔

(2) لوگوں کی تقسیم :۔ بہتر اور خراب' لائق اور نالائق' پسندیدہ اور ناپسندیدہ اور منتخب اور غیر منتخب میں۔

اس مسئلے پر سینکڑوں کتب ان کے حق میں اور خلاف لکھی گئی ہیں۔ اور ابھی تک لکھی جا رہی ہیں۔ اس پر مفصل بحث کرنا میرے اس خطبے کے دائرہ کار سے باہر ہے۔ بہرحال جیسا کہ سندھ کے صوفیاء کرام کی اس مسئلے پر مخصوص رائے رہی ہے اور ہم ان کی رائے کے ترجمان ہیں۔ ان تمام حضرات نے خودی کی تعلیم کی مخالفت کی ہے اور ان کو اس سے "دوئی" کی بو آئی تھی' اس کو انہوں نے نفاق اور نفرت کا سبب سمجھا۔ اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنے گروہ کے کارکنوں کے سامنے اس مسئلے پر اپنی سمجھ کے مطابق روشنی ڈالوں۔

مسئلے خودی کی تلقین آخری طرح سے یہاں کے مسلمانوں کے سامنے علامہ شیخ محمد اقبال نے کی ہے ان کا کہنا ہے کہ:۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اس کی تشریح کرتے ہوئے ہمیں بتایا جاتا ہے کہ افراد اور قوموں کی بقاء اور ترقی کے لئے ان میں خودی کا احساس پیدا کرنا انتہائی ضروری ہے۔ خودی کو ختم کرنے کی تعلیم افراد اور قوموں میں سستی' بزدلی اور تنزلی لاتی ہے۔ جس کو "جبر اور قدر" کے نام سے کہا گیا ہے۔ اس لئے ان دونوں مسائل پر روشنی ڈالنے کے بعد اپنا نقطہ نگاہ سمجھانے کی کوشش کروں گا۔

1- مسئلہ قدر :- اس مسئلے کے حامیوں کا کہنا ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اس میں خدا کا نور ہے' اسی لئے کائنات کی ہر چیز پر وہ حاوی ہونے کے لائق ہے اور اگر ■ بلند پروازی اور اعلیٰ ہمتی سے کام لے گا تو دنیا کی ہر چیز کو تسخیر اور تابع کر سکتا ہے۔

یزداں بہ کمند آور اے ہمت مردانہ!

وہ قوموں کی ترقی کا راز اس نظریئے کو ماننے میں ہی مضمر سمجھتے ہیں۔ اس نظریے کی سچائی میں وہ یورپ کی موجودہ علمی' فنی اور سائنسی ترقی کو ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ وہ قوموں کی پسماندگی اور تنزل کو مسئلہ "جبر" میں یقین رکھنے کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اہل تصوف کی "رہبانیت" کی تعلیم کو سستی اور کاہلی اور قوموں کے تنزل کا سبب سمجھتے ہیں۔ اس بات کے مدنظر علامہ اقبال نے فرمایا ہے کہ :-

(1) "تصوف مذہب کے انحطاط کی نشانی ہوتا ہے۔ تمام یونانی اور ہندوستانی فلسفے قومی پسماندگی کے نشان تھے"۔

"ان کی نظر میں تصوف دین اسلام نہیں بلکہ اس کا فلسفہ ہے جو ان کے خیال کے موجب مجوسی' ہنود اور نصاروں کے خیالوں سے متاثر زدہ ہے"۔

"انہوں نے تصوف اسلام (فلسفہ اسلام) کے درخت کو سرزمین اسلام میں علیحدہ پودا سمجھا تھا"۔

"انہوں نے تصوف اسلام کو حضرت آدمؑ کا شجر ممنوع کر کے لیا ہے"۔

("ذکر اقبال"' سالک' صفحہ 251)

مطلب یہ ہے کہ کچھ فقیروں اور درویشوں کی رہبانیت خانقاہوں میں ورد وظیفے کرنے' دنیا کو فانی سمجھ کر تارک دنیا ہو جانے اور کچھ فقیروں کے سر میں مٹی ڈال کر اور گدڑی پہن کر گھومنے پھرنے نے اس پر اتنا اثر کیا کہ وہ تصوف کے تمام فلسفے کو

غلط اور بیکار سمجھنے لگے تھے اور ان کی "بے خودی" کی تعلیم نے بھی انہیں خاصہ ناراض کیا ہے۔ اسی لئے انہوں نے مسلمانوں میں نئی روح پھونک کر ان کو بیدار کرنے کے لئے خودی کے مسئلے کو اہمیت دی۔ جو مسئلے "قدر" کی بنیاد پر برپا ہے۔ لیکن حقائق دہر اس کے خلاف ہیں۔ اس لئے تصویر کے دوسرے رخ کو دیکھنے کے لئے مسئلہ "جبر" کی تشریح کی جاتی ہے۔

مسئلہ جبر:-

اس مسئلے کے حامیوں کا کہنا ہے کہ انسان کتنی ہی وجوہات کے سبب خاصی حد تک مجبور ہے۔ اس کی آزادی اور قادر ہونا ان اسباب کی وجہ سے محدود ہے۔

1- عنصری حادثات اور قوتیں۔

2- تاریخی ارتقاء اور ماضی کی روایات۔

3- نسل اور معاشرے کا اثر۔

4- ماحول کا اثر اور قوتیں۔

مسئلہ جبر کے سلسلے میں ان مذکور شدہ اسباب کی مکمل تشریح کرنے کے لئے خاصہ وقت درکار ہے۔ لیکن مختصراً سمجھانے کے لئے بیان کر رہا ہوں۔

1- عنصری حادثات اور قوتیں

انسان جاندار جانور ہے جس کا ہوا' پانی' آگ اور زمین کے چار عناصر پر دارومدار ہے۔ وہ ہوا کے سوا زندہ نہیں رہ سکتا۔ پانی اور کھانے پر ان کی زندگی کا دارومدار ہے۔ انتہائی گرمی اور سردی برداشت نہیں کر سکتا ہے۔ مذکور شدہ چاروں عناصر کا دارومدار ایسی قوتوں اور حادثات پر تھا۔ جس پر مکمل قبضہ کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ سخت بارشوں' سیلاب' پانی کی قلت کے سبب قحط پھیلنا' زلزلے اور عنصری خرابیوں کے سبب وبائی بیماریاں ہو جانا ایسی باتیں ہیں جس نے ان کی آزادی اور طاقت کو محدود کر دیا ہے۔

2- تاریخی ارتقاء اور ماضی کی روایات

انسانی زندگی کو جن دوسری باتوں نے محدود کیا ہے وہ تاریخی ارتقاء اور ماضی کی

روایات ہیں۔ اگر ہم تاریخ پر نظر کریں گے تو لاکھوں برس سے مختلف نسل کے افراد جدا جدا اسباب کے سبب، زمین کے مختلف حصوں کو "وطن" کر کے بیٹھ گئے۔ جن میں ملکی آب و ہوا، مکانی حالات اور مذکور شدہ عنصری قوتوں کے اثرات کی وجہ سے کچھ جسمانی، نفسیاتی اور ذہنی رجحانات پیدا ہوئے۔ علاوہ ازیں مختلف ممالک کے حالات سازگار اور ناسازگار ہونے کے سبب وہ علیحدہ علیحدہ مادی اور ذہنی ارتقائی مرحلے پر پہنچے تھے۔ ان کے ماضی کی روایات، رسوم، دستور، وہم، عقائد اور تعصبات نے ان کو مخصوص قالبوں میں محدود کر دیا ہے۔ جن سے جلدی باہر نکلنا افراد اور قوموں کے لئے نہایت ہی مشکل مسئلہ ہے۔

3- نسل اور معاشرے کا اثر

جس طرح جانوروں میں مختلف نسل، مختلف بدنی ساخت کے سبب جدا جدا نفسیاتی اور ذہنی لیاقتوں کے حامل تھے۔ اسی طرح بنی نوع بھی جدا جدا اہم نسلوں جیسا کہ:-

1- آریا، 2- سامی، 3- منگول، 4- نیگرو وغیرہ میں تقسیم تھے۔ جن کی بدنی ساخت، ذہنی اور نفسیاتی رجحانات علیحدہ تھے۔ یہ مختلف وجوہات کے سبب علیحدہ علیحدہ وطنوں میں رہنے اور باہمی میل ملاپ کے سبب علیحدہ علیحدہ قومی وجود اور خاص کلچر پیدا کر کے مخصوص معاشرے قائم کر چکے تھے۔ جس کے مجموعی اثر سے فرد کا اندرونی اور بیرونی طور پر آزاد رہنا بڑا مشکل مسئلہ ہے۔

4- ماحول کا اثر اور قوتیں

اس عنصر کے سبب مختلف ممالک کی آب و ہوا، گزر اوقات کے ذرائع اور زمین کے زرخیز اور بنجر ہونے کے سبب، پڑوسی قوموں اور قبائل کے خلاف تعصبات، جھگڑے فسادے لوگوں کی زندگی پر اور ان کی طبعی رجحانات پر اثر کیا اور یہ بات بھی ان کے دائرہ وسعت کو محدود کرتی ہے۔

دنیا میں اس وقت دو اہم فلسفے مروج ہیں:-

1- آئیڈیلزم (روحانیت)

2- مٹیریلزم (مادیت)

پہلا فلسفہ روحانیت "ترقی یافتہ نفس یا عقل" کو ترجیح دے کر مادی اشیاء کو ثانوی حیثیت دیتا ہے۔ دوسرا فلسفہ مادے کو ترجیح دے کر روحانیت کو ثانوی حیثیت دیتا ہے۔ دوسرے فلسفوں کے حامیوں نے کسی حد تک مسئلہ جبر کی فوقیت بیان کی ہے۔ آئیڈیلسٹ تو اس حد تک گئے ہیں کہ کہتے ہیں کہ :-

"لا تحرک زرۃ الا باذن الله"

ترجمہ :- کوئی بھی چیز اللہ کی اجازت کے بغیر تحرک میں نہیں آتی۔

ان تمام طاقتوں کا خدا کے ہاتھ میں ہونا ظاہر کر کے اور انسان کو صرف اس کا مظہر شمار کر کے فرد کی قوت کو محدود سمجھا ہے۔

واڳ ڌڻيءَ جي وس، آءٌ ڪا ٻانهي ويچاري !

تمام باگ اے مالک تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میں تو کمزور اور ناتواں ہوں۔

لکيو منجهه نراڙ، قلم ڪپاڙيءَ نہ وهي !

جو مقدر میں ہوتا ہے وہی بھگتنا پڑتا ہے۔

جيڪي آيو وٽان اُن، سو پيئي پاڙي منڌ ڀتار ڀر.

جو ان کی طرف سے ملا ہے اس میں ہی وہ محو اور گردان ہے۔

مٹیریلسٹوں نے بھی مذکور شدہ "جبر" کے لئے دلائل کی بنیاد پر شخص کو سوسائٹی کی مشین کا پرزہ اور ارتقائی قانون کے ماتحت سمجھ کر جبر (Determinism) کی تائید کی ہے۔

میں ذکر کر چکا ہوں کہ انسان میں حیوانی خواہشات موجود ہونے کے سبب' خودی اور انانیت نے نفس امارہ کے جزو کا کام دیا ہے۔ اس مفاد پرستی نے پھر شخصی صورت یا قومی صورت اختیار کی۔ اس کی بنیاد بہرحال بنی نوع کے مجموعی مفاد اور مساوات کے خلاف' اپنے منتخب ہونے اور اپنی برتری کے خیال پر رہا ہے۔ اس فطری اثر کے زیر سایہ کچھ افراد' قوموں اور مذاہب میں یہ رجحان رہا ہے کہ خود کو حق پر اور اعلیٰ

طاقت ور، عاقل اور بہتر یا منتخب شدہ سمجھ کر، دوسروں کو ناحق پر قرار دے کر، کمزور، پسماندہ، جاہل، ناپسندیدہ شمار کر کے اور اپنی "لیاقت" کی بنیاد پر اپنا تسلط قائم کریں۔ میں پہلے یہ بتا چکا ہوں کہ اس رنگ میں کچھ فلسفی، مذہبی گروہ، حکمران اور قومیں رنگ گئیں اور انہوں نے اس تخیل کے جواز میں دلائل دے کر اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی۔ آج کل یہ خیالات فسطائیت (Fascism) کی صورت اختیار کر گئے ہیں۔ جس مسئلے کی مفصل تشریح کسی دوسرے خطبے میں پیش کروں گا۔

فسطائیت کا نظریہ زیادہ تر خودی اور قبضے کی حیوانی خواہشات کی بنیادوں پر تعمیر ہے۔ یہ نظریہ مذکور شدہ دونوں فلسفوں، آئیڈیلزم کے غور شدہ فیصلوں اور میٹیریلزم کے تاریخی ارتقاء کے اصولوں کے خلاف ہے۔ لیکن نہ صرف مسلمانوں کے ایک گروہ نے اس کو اہمیت دی بلکہ دوسرے عالمگیر مذاہب میں ایسے عالم گزرے ہیں جنہوں نے اس نظریے کو مانا اور اس پر عمل کرنے کو اپنے شخصی اور قومی مفاد کیلئے مفید سمجھا تھا۔ تازہ یورپ کے عالموں میں "نطشے" نے اس نظریے کو دلائل کے ذریعے نادر کرنے کی کوشش کی۔ اس کے نتیجے میں جرمنی میں "نازی" اور اٹلی میں "فسطائی" تحریکیں ہٹلر اور مسولینی کے سایہ شروع ہوئیں۔ انہوں نے اپنی اپنی قوموں کو نسلی بنیاد پر منتخب قرار دے کر اور دوسری قوموں کو پسماندہ سمجھ کر ان پر اپنے تسلط کو قائم کرنا حق بجانب دیا۔ علامہ اقبال نے بھی مسلمانوں کا جداگانہ اور منتخب قوم کا نظریہ پیش کیا ہے۔ اس اور مذکور شدہ فسطائی نظریے کا اصول قومی برتری کا خیال تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہ اپنی اپنی قوم کو نسلی بنیاد پر اعلیٰ اور افضل سمجھ رہے تھے۔ اور علامہ اقبال نے مسلمانوں کو نظریاتی بنیاد پر اعلیٰ اور برگزیدہ قرار دے کر تمام بنی نوع کی امامت اور رہبری کرنے کے قابل قرار دیا ہے۔

مسلمانوں میں یہ بات نئی نہیں ہے۔ ابتدا سے ہی کچھ عالم "شریعت اسلام" کو بنی نوع کی نجات کا واحد ذریعہ سمجھ کر تمام دنیا کو اس کے دائرے کے زیر اثر لانے کے حامی رہے ہیں۔ میں بتا چکا ہوں کہ دنیا کے تمام عالمگیر مذاہب ذہنی سامراج ہیں۔ انہوں نے اس خیال کے تحت تمام دنیا کو اپنے زیر تسلط لانا چاہا۔ اس کے سبب مسلمانوں میں سامراجی خیال رکھنے والے حکمران اور عالم اس نظریے کے قائل رہے ہیں۔ خلافت اسلامیہ کا قیام، وقت بہ وقت مہدیوں کا پیدا ہونا اور آئندہ ان کے پیدا

ہونے کی امید رکھنا۔ اس سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

امیر تیمور' ترک خلیفہ محمود غزنوی' اورنگزیب اور دوسروں نے اس جذبے کے تحت فتوحات کیں۔

اس ہی خیال کو نئے طرز بیان میں علامہ صاحب نے مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جس سے تعلیم یافتہ طبقہ خاصہ متاثر ہوا۔ ان کے موجب غلبہ اسلام کیلئے جہاد اور تبلیغ' اس کے فروغ کے اہم حربے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ :-

میں تم کو بتاؤں کہ تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول' طاؤس و رباب آخر

جس کا مطلب یہ ہے کہ جہاد جس کے نشان شمشیر و سنان ہیں۔ اس میں علامہ نے قوموں کی ترقی کے راز کو مضمر سمجھا ہے' یہ تشدد کے نشان ہیں۔ اہل طریقت عشق اور محبت' ایثار اور اتحاد کی تعلیم دیتے ہیں نہ کہ جبر کی۔ ہمارا گروہ اہل طریقت کے اس فکر کا قائل ہے جس کا تعلق مسئلہ وحدت الوجود کے بزرگوں سے ہے جن میں اہم حضرت جنید بغدادی علیہ' بایزید بسطامی علیہ' فریدالدین عطارؒ علیہ' شمس تبریز علیہ' عبدالقادر جیلانیؒ' سرمد شہیدؒ خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اور ان کے پیروکار شاہ عنایت صوفیؒ اور ان کے پیروکار' شاہ عبداللطیف بھٹائی اور سچل سرمست ہیں۔ انہوں نے ظاہری تشدد سے لوگوں کو دور کر کے ان میں جہاد اکبر (نفس کو مارنے) کی طرف راغب کیا' جس کے معنی نفس کی اصلاح اور خودی کو ختم کرنا ہے۔ جس صورت میں ہم اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں ہمیں مندرجہ ذیل باتوں کی بابت اپنے ذہن صاف کرنے ہوں گے۔

خودی کو بڑھانا نہیں ہے بلکہ اس کو ختم کرنا ہے

یہ بات صاف طور پر سمجھنی چاہئے کہ جب ہم خودی کو ختم کرنے کی بات کرتے ہیں تو اس سے ہمارا مطلب لوگوں کو تارک الدنیا' بے کار' سست اور کاہل بنانا نہیں ہے۔ اس کا معنی صرف افراد اور مخصوص قوموں کے مفاد پر بنی نوع کے مجموعی مفاد کو ترجیح دیتا ہے۔ اہل تصوف نے نفس یا خودی کو فناء کرنے کو تین مدارج قرار دیا ہے۔

1- فنافی الشیخ
2- فنافی الرسول

3- فنافی اللہ

اس وقت بھی ان تین مدارج سے گزرنا ضروری ہے لیکن ہر زمانے میں لوگوں کے فہم اور حالات کے تقاضہ کے موجب' ان الفاظ کی جدید طرز بیان میں نئے معنی کرنے ہیں۔ ان الفاظ کے معنی جو مجھے سمجھ میں آئے ہیں۔ آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔

فنافی الشیخ

شیخ مرشد یا رہنما کو کہا جاتا ہے۔ یہ بزرگ اپنے پیرو کاروں یا گروہوں کی صحیح تعلیم اور تربیت کا کام سرانجام دیتے ہیں اور لوگوں کی اصلاح نفس اور اخلاقی درستگی کی بھی کوشش کرتے تھے۔ ان کے بنیادی اصول یہ ہوتے تھے۔

1- افراد سے مفاد پرستی نکال کر ان میں قومی مفاد کے لئے ایثار کا مادہ پیدا کریں۔
2- لوگوں میں نفرت اور نفاق دور کر کے ان میں قومی محبت اور اتحاد قائم کرائیں۔
3- بدامنی کے اسباب کو ختم کر کے امن اور سلامتی پیدا کریں۔

یہ افراد کو قومی مفاد کیلئے شخصی مفاد کو قربان کرنے کی تلقین کرتے تھے اور لوگوں میں قومی شعور پیدا اور مفاد پرستی ترک کرا کے' ان کو ایثار اور مجسمہ اخلاق بنانے کا کام کرتے تھے۔ جدید زبان میں "فنا فی الشیخ" کے معنی "فنا فی القوم" کہا جائے تو زیادہ موضوع ہو گا۔ یہ پیر پرستی نہیں بلکہ قوم پرستی تھی۔ صرف پیر پرستی جو شخصی پرستی کا دوسرا نام ہو' یہ تو شرک کی صورت ہے۔ آج کل مہذب ممالک میں اس شخصی لیڈر شپ کی بجائے مجموعی لیڈر شپ کو ترجیح دی جاتی ہے۔ جو بات ہیرو ورشپ یا شخص پرستی کو مقصد سمجھ کر ان میں گمراہ ہونے سے بچانے کیلئے ایجاد کی گئی ہے۔

فنافی الرسول

اہل تصوف نے حضرت محمدؐ کو بین الاقوامی پیغام رحمت کا پیغمبر سمجھا ہے۔ اہل تصوف کے نقطہ نگاہ کے موجب رسولؐ بنی نوع میں مذاہب' قوموں' نسلوں اور دوسری ہر قسم کی اونچ نیچ کی کھڑی کی ہوئی دیواروں کو گرانے کے لئے پیغام لائے تھے۔

نئون نيا هو آئيو، رالي ولڻان رات،
لڌيسون لطيف چئي، ڪنا ذاتر ذات،
ڪانه اجهي تو ذات، جي آيا سي اگهيا! (شاہ)

محبوب کی طرف سے رات نیا پیغام ملا ہے۔

شاہ لطیف کہتے ہیں۔ مالک سے ہی انہیں ذہن ملی ہے۔
وہ ذات پات نہیں پوچھتے ہیں جو آئے وہ قبول ہوئے۔

اسی لئے اہل طریقت کے ذہن میں "فنا فی الرسول" کے معنی بنی نوع کی بہبود کے لئے شخصی اور قومی مفاد کو قربان کرنے کا تصور سمایا ہوا ہے۔ جدید زبان میں اس کو بین الاقوامی پیغام اور کوشش سمجھی جائے تو بجا ہوگا۔ ان کا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ شریعت اسلامی کے نام پر اکٹھے ہونے والوں کا علیحدہ گروہ بنا کر لوگوں میں پیدا شدہ فرقوں میں اضافہ کیا جائے۔

هڪ هندو ٻيا مسلمان، ٻنهي وچ وڏائون ويـر،
انڌن اونڌهه نه لهي، تن کي سچ چوندو ڪير،
"روحل" راهه پرين جي، جڏهن کهمي ڏٺوسون گهير،
ته رب مڙني جو هڪڙو، تنهن ۾ ڦند نه ڦير!

ایک ہندو اور دوسرے مسلمان ہوئے۔ تیسرا انہوں نے آپس میں دشمنی کی۔ اندھوں کو اندھیرے کی کیا خبر۔ ان کو سچ کون کہے گا۔ اے روحل محبوب کی راہ کا جب میں نے گھاٹ گھوم کر دیکھا تو رب سب کا ایک ہے جس میں کوئی بھی فرق نہیں ہے۔

ان کی تعلیم کا یہ مقصد نہیں تھا کہ مسلمانوں کے نام میں جو غاصب بد اخلاق، ظالم اور جاہل لوگ اکٹھے ہو گئے تھے۔ ان کو منتخب اور پسندیدہ قوم سمجھا جائے۔ بلکہ ان کی نظر میں جس نے اچھے کام کئے تھے۔ جو مجسمہ اخلاق اور ایثار تھے اور بنی نوع کے روشن مستقبل میں ان کا ایمان تھا اور اس کے لئے وہ کام کر رہے تھے۔ یہ تمام "صالح مسلم" تھے۔ اس کے سبب بنی نوع کی موجودہ مذہبی تقسیم کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔

فنا فی اللہ

یہ راز میرے موجودہ فہم و فراست سے بالا تر ہونے کے سبب میں اس کی تشریح کرنے سے عاری ہوں۔ صرف شیخ سعدیؒ کے اس شعر پر ہی اکتفا کروں گا۔

ای برتر از خیال و قیاس و گمان وہم
وز ہرچہ گفتہ اند، شنیدیم، خواندہ ایم
مجلس تمام گشت و باخر رسید عمر

ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم
اے خیال، قیاس، گمان اور وہم سے بالاتر ہستی جو میں نے سنا، سمجھا اور پڑھا۔ مجلس تمام ہو گئی اور عمر کی آخری گھڑیاں ہیں۔
میں جو ابتدا ہی میں تھا۔ اب بھی وہی ہوں۔
آخر میں خودی کو ختم کرنے کے لئے سند کے طور پر مندرجہ ذیل بزرگوں کے اشعار پیش کرتا ہوں۔

1- شمس تبریز علیہ الرحمتہ

عقل گوید پا منہ کاندر فنا جز خار نیست
عشق گوید ہست در تو مایہ آن خار ہا
عقل کہتا ہے کہ فنا ہونے کے لئے راستہ میں کانٹے ہی کانٹے ہیں۔ عشق کہتا ہے کہ تو پیدا ہی ان کانٹوں کے لئے ہے۔
حرف مرا گوش کن، بادہ دل نوش کن
بے خود و بیہوش کن، خاطر طرار را
میری بات غور سے سن اور بادہ دل نوش کر، بے حال اور بے ہوش ہو جا یہی عشق و محبت کا تقاضا ہے۔
پاک سوز خویش و ہمہ خاک شو
تاکہ زخاک، تو بروید گیاہ
تو پاک ہو جا دوسروں کو بھی پاک کر تاکہ تیری زمین میں گھاس اگ سکے۔
آن روح راکہ عشق حقیقی شعار نیست
تا بودہ بہ کہ بودن او غیر عار نیست
عشق حقیقی کے بغیر روح پاک نہیں ہو سکتی، اس میں کھو جانا کوئی عار و ننگ نہیں ہے۔
پرسند عشق چیست بگو ترک اختیار
ہر کو ز اختیار ترست اختیار نیست

لوگ پوچھیں کہ عشق کیا ہے تو کہہ دے کہ اپنے اختیارات کو
ترک کرنا کیونکہ جو کچھ تیرے پاس ہے حقیقت میں تیرا نہیں
ہے۔

بس صد قفهای چو نقره زیر سنگی کوفتم
تا بوئی گنجهائی در مکنون تاختم

پس ہم نے سینکڑوں پتھروں کو کھودا ہے تو پھر کہیں جا کر ہمیں
پوشیدہ خزانے کی خوشبو آئی ہے۔

2- مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمتہ

گفت لیلیٰ را خلیفه کان توئی ... کز تو مجنون شد پریشان و غوی
از دگر خوبان تو افزوں نیستی ... گفت خامش چون تو مجنوں نیستی
دیده مجنوں اگر بودی ترا ... در دو عالم بیخطر بودی ترا
باخودی تو لیک مجنوں بیخود است ... در طریق عشق بیداری بدست
هرک بیدار ست او در خواب تر ... هست بیداریش از خوابش بتر
چون تجلی بیدار بنود جان ما ... هست بیداری چو در بندان ما

کسی نے لیلیٰ سے کہا کہ مجنوں تیرے عشق میں گمراہ ہو گیا ہے۔
اس میں تیری بھلائی نہیں ہے۔ لیلیٰ نے کہا چپ ہو جا تو مجنوں
نہیں ہے کیونکہ مجھے پتہ ہے اگر تو مجنوں ہوتا تو دو جہانوں سے
نہ ڈرتا۔ اگرچہ مجنوں بے حال و مست ہے لیکن عشق میں
بیداری ضروری ہے۔ بیدار، بیدار ہوتا ہے چاہے وہ نیند میں ہی
کیوں نہ ہو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بیدار کیا ہے اس لئے
غفلت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

3- عبدالقادر محی الدین علیہ الرحمتہ

نیک مردان جهان گر جنگ در طاعت زند
محی الدین، مفلس تراجز فضل، حق در جنگ نیست

دنیا کے نیک لوگ اگر اطاعت الٰہی میں جنگ مول لے لیں، اے محی الدین تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جنگ سے محفوظ ہے۔

'محی' با این زندگانی گر گمان داری کہ تو
راہ حق رفتی یقین می دان کہ فکر باطل است

اے محی الدین اگر تو اس زندگی میں یقین سے کہتا ہے کہ تو صحیح راستے پر چلا ہے تو تمہاری یہ سوچ ٹھیک نہیں ہے۔

شراب عشق چندان خور کہ سراز پائی شناسی
کہ سرمستان حضرت را زہشیاری بسی عارست

معرفت کے بغیر شراب عشق پینا موالیوں کے لئے سزاوار نہیں ہے۔

خلاصی گر ز ہستی بایدت عاشق ای 'محی'
کہ اول کام در عشق پریر و یان عدم باشد

اے محی الدین اگر تو سچا عاشق بننا چاہتا ہے تو اس کی ذات میں فنا ہو جا۔

4- خواجہ معین الدین اجمیری علیہ الرحمتہ

ولا بحلقہ رندان بزم عشق درا
کہ جرع ز شراب بقا دہند ترا

تو درویش لوگوں کی محفل میں آ اور عشق الٰہی میں کھو جا کیونکہ شرح میں عشق کا ایک گھونٹ تجھے بقا عطا کر دے گا۔

بیا و ہر دو جہانرا بششلو اندر نہ
درین قمار بیک داد ہر چہ ہست ترا

آ جا کہ ہر دو جہانوں میں حیرانگی ہی حیرانگی ہے، اس محفل میں تجھے اعلیٰ مرتبہ حاصل ہو گا۔

اگر بقا طلبی اولت فنا باید

کہ تا فنا نشوی رہ نمی بری بقا

اگر تو بقا چاہتا ہے تو سب سے پہلے تو فنا ہو جا یعنی مٹ جا جب تک تو فنا نہیں ہوتا تو تجھے بقا نہیں ملے گی۔

نقاب ہستی خود را تواز میان برذار
دگر بہ بین کہ جمال تومی شود پیدا

اپنے چہرے سے دنیاوی نقاب ہٹا دے' کیونکہ تجھ میں ایسی خوبصورتی پیدا ہو گی جو دوسروں کو حیران کر دے گی۔

5- سلطان باہو علیہ الرحمتہ

دم زدن در راہ عشق یار نیست
پارہ شو در راہ او صد پارہ ہا

عشق کرنا اور یار کو تلاش کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے' اس کے لئے تو تجھے سینکڑوں بار ٹکڑے ٹکڑے ہونا پڑے گا۔

تا زمین دل نگر دد لا نقوش
کے بروید از گل' گلزار ہا

جب تک زمین دل عشق الٰہی میں ہموار نہیں ہو گی تو تو گل گلزار کس طرح اگا سکتا ہے۔

یار باید جان فدا خود کرد نیست
غیر جان دادن ندیدم چار ہا

یار کو یار کی خاطر جان قربان کر دینی چاہئے کیونکہ جان کی قربانی کے بغیر یار کا حصول مشکل ہے۔

6- شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ

عين شرڪ اِيءُ، جيئن ٻي شرڪ پاڻئين پاڻ ڪي،
وڃائي وجود ڪي، پاڻان پاسي ٿيءُ،
هڏهن ڪونهي هيءُ، هو پڻ ڪونهي هن ري.

یہ ہی شرک ہے کہ تم خود کو بے شرک سمجھتے ہو۔ وجود کو فنا کر کے تم ایک طرف ہو جاؤ یہ ان سے جدا نہیں ہے۔ وہ بھی ان سے الگ نہیں۔

جان جان هئين پاڻ کي، تان تان ناهه سجود،
وڃائــي وجود، تهان پوءِ تڪبير چئو.

جب تک خود میں دیکھتے رہو گے تب تک سجدہ نہیں ہے۔ تمام وجود کو گنوا کر اس کے بعد تکبیر کہو۔

نابوديءَ نيئي، عبد کــي اعليٰ ڪيو،
مورت ۾ مخفي ٿيا، صورت پڻ سيئي،
ڪبي آت ڪيهي، ڳالهه پريان جي ڳجهه جي!

نابودی نے لے جا کر عبد کو اعلیٰ کیا۔ جو صورت میں مخفی ہیں وہی اصلی صورت ہیں۔ وہاں کونسی بات محبوب کے راز کی کیجائے گی۔

خـودي ۽ خداءِ، ڪين ماهندا من ۾،
ٻن ترارين جاءِ، ڪانهي هڪ ميان ۾!

خودی اور خدا دونوں ایک من میں جگہ نہ پائیں گے۔ دو تلواروں کی جگہ ایک نیام میں نہیں ہوتی۔

7- سچل سرمست

يار تو سان منهن جي زاري، سؤ لک واري.

اے یار تیرے در پر صرف زاری اور توبہ زاری

ٻانهي ٻاروچل جي، آهيان ٻي آهيان.

میں محبوب کی کنیز ہوں صرف کنیز ہوں۔

جڏان ميان موج مستي دي آئي، بيخودي تني جسم کيا.

جب موج مستی کی آئی۔ تمام جسم بے خودی کا عالم میں آگیا۔

8- بیدل فقیر

سکھ رمز وجود وڃاوڻ دي، ڪانهي حاجت پڙهڻ پڙهاوڻ دي!

سیکھو رمز وجود کے گنوانے کی۔ یہاں پڑھنے پڑھانے کو کوئی حیثیت نہیں ہے۔

ہمارے کارکنوں کو مندرجہ ذیل باتوں کے لئے اپنا ذہن صاف کرنا ہو گا۔

1- خودی' دوئی کا سبب بنتی ہے۔

2- خودی تشدد کا رجحان بن کر' پہل کرنے اور سامراجیت کی بنیاد بنتی ہے۔

3- شخصی یا قومی خودی نفاق اور نفرت پیدا کر کے بدامنی کا سبب بنتی ہے۔

4- خودی کی تعلیم ہمارے سندھی درویشوں کی تعلیم اور قدیم روایات کے خلاف ہے۔

جو پہل کرتا ہے وہ ہی نقصان میں جاتا ہے

5- اگر ہم قوم سے نفرت اور نفاق دور کر کے اتحاد' محبت اور ایثار کا مادہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ تو ہمیں خودی کو ختم کرنا ہو گا۔

غلام مرتضیٰ

بزم صوفیائے سندھ کے تحت 23 اکتوبر 1966ء میں ڈھڑو ضلع سانگھڑ میں منعقد ہوئی پانچویں سندھ ثقافتی کانفرنس

عزیز بھائیو!

مجھے شکایت ملی ہے کہ گزشتہ کانفرنسوں میں میرے خطبے عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئے ہیں۔ اگر یہ میرا خطبہ بھی عام فہم سے بالاتر ہو تو مجھے معاف فرمائیں۔ ان خطبوں کے دینے کا سبب ظاہر ہے۔ ہمارے ملک کی اہم خرابیوں کا سبب تعلیم یافتہ اور بڑے لوگ رہے ہیں۔ غریب عوام نے سادگی اور صاف دلی سے ہمیشہ ان کی پیروکاری کی ہے۔ اس لئے میرا زیادہ تر خطاب انہی حضرات کی طرف ہے جو اپنے خیال و عمل کی خامیوں کی وجہ سے عوام کی گمراہی کا سبب بنتے ہیں۔ یہ پانچویں کانفرنس ہے جس میں ہم اکٹھے ہوئے ہیں۔ ان کانفرنسوں میں جن مقاصد کے لئے ہم اکٹھے ہوتے ہیں ان کے متعلق میں نے اور میرے دوستوں نے وقت بہ وقت اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مختصر الفاظ میں اگر اس کو بیان کیا جائے تو بنیادی مطلب یہ نکلے گا کہ "سرزمین سندھ کو اتحاد بنی نوع، امن عالم اور لوگوں کی مادی اور روحانی ترقی کے لئے ایک خاص پیغام ہے"۔ جس پیغام کی ہمارے ولیوں اور درویشوں نے ہر ممکن نمونے سے تشریح کر کے لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لئے کوشش کی ہے۔ ہم اپنی سمجھ کے مطابق اس پیغام کی ان کانفرنسوں کے ذریعے جدید زبان میں ترجمانی کرنا چاہتے ہیں۔

عمر است کہ آواز منصور کہن شد

من از سر نو جلوه دهم دارو رسن را

عمر بیت چکی ہے کہ منصور کی آواز ختم ہو گئی ہے میں از سر نو دار پر چڑھ کر اس کی تجدید کرنا چاہتا ہوں۔

ویسے تو ہر ملک اور قوم کو اپنا پیغام ہوتا ہے۔ لیکن کچھ مخصوص جغرافیائی اور تاریخی اسباب اور مختلف کلچروں اور مذہبی عقائد کے ملاپ کے سبب سندھ کے پیغام کی کچھ خاص خصوصیتیں ہیں۔ جس کے مدنظر شاہ عبدالطیفؒ نے اس کو "نئے پیغام" سے تشبیہ دی ہے۔

نئون نياپو آئيو، راتي وِٽان رات،
لڌيسون "لطيف" چئي، ڪنان ذات ذات،
ڪانه پڇي نو ذات، جي آئيا سي اگھيا! (شاھ)

محبوب کی طرف سے رات نیا پیغام ملا ہے۔
شاہ لطیف کہتے ہیں، مالک سے ہی انہیں دین ہے۔
وہ ذات پات نہیں پوچھتے ہیں جو آئے وہ قبول ہوئے۔

اس پیغام سندھ اور اس کی خصوصیات پر انشاء اللہ دوسری کانفرنس میں مفصل روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔

گزشتہ کانفرنسوں میں لوگوں میں نفاق و نفرت کے مندرجہ ذیل تین اسباب میں سے دو اسباب کا ذکر کیا تھا۔ اس کانفرنس میں تیسرے اسباب کا ذکر کروں گا۔ ملک میں نفاق اور نفرت کے ان تین اسباب کا بیان کر چکا ہوں۔

1- مذہب کی غلط تشریح۔
2- شخصی اور طبقاتی مفاد کے لئے مقابلے بازی۔
3- فسطائی نظریات۔

ان میں سے پہلی پر میرپور بٹھورو میں روشنی ڈالی تھی۔ جس کا لب لباب یہ تھا کہ "جب مذاہب اور فلسفے انسانی آزادی، مساوات، اتحاد، امن اور ترقی کے بنیادی مقاصد سے دور ہو کر لوگوں کی غلامی، امیر غریب، نفاق، نفرت اور بدامنی کے باعث بنتے ہیں۔ تو بنی نوع کے تنزل اور گمراہی کے سبب بنتے ہیں"۔ شاہ لطیف کی کانفرنس کے موقع پر لوگوں کی موجودہ شخصی اور طبقاتی کشمکش اور مقابلے بازی کا سبب خودی جو

مفاد پرستی کی پیداوار ہے' کو قرار دیا تھا۔ اس بار میں نفرت اور نفاق پیدا کرنے کے تیسرے سبب یعنی "فسطائی نظریات" پر اظہار خیال کر رہا ہوں۔

فسطائیت انگریزی لفظ "فاشزم" (FASCISM) کا تبدیل شدہ لفظ ہے۔ جو لفظ اصل لاطینی زبان کے "فاشیو" لفظ سے لیا گیا ہے۔ یہ لفظ رومن سامراج کے مجسٹریٹوں کے آگے اٹھائی گئی "اختیار کی چھڑی" کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ یہ وہ نظریہ ہے۔ جس کی بنیاد پر جنگ عظیم دوئم سے پہلے اٹلی کے آمر حکمران مسولنی نے اٹلی میں تشدد کی پہل کرنے والے خیال کے قوم پرستوں کی ایک جنگجو جماعت بنا کر اس کا نام "فاشسٹ پارٹی" رکھا تھا۔ اور اسی طرح جرمنی میں ہٹلر نے "نازی پارٹی" بنائی تھی۔

مسولنی اور ہٹلر کا فسطائی نظریہ جرمن فلسفی ہیگل کے جدلیاتی اصولوں (Dialectics) شاپنہیر کی ناامیدی (Pessimist) روحیانیت والے نظریے (جو دراصل ایک مشرقی نظریہ تھا) برگسن کی انتخابیت (Electics) (مختلف فلسفوں میں مرضی کے مطابق انتخاب) اور نطشے کے فوق البشر (Super Man) کے تخیل کے الگ الگ خیالوں پر مشتمل تھا۔ جن خیالوں کو آخر میں اٹلی کے جدید فلسفی گیاوانی جیسٹائل نے ایک نئے طریقے کی صورت میں پیش کیا۔

ہم اگر نظریاتی اور مذہبی تاریخ کا گہری نظر سے مطالعہ کریں گے تو دنیا کے قدیم مہذب ممالک' مصر' ایران' یونان اور انڈیا وغیرہ میں بھی اس نظریہ فسطایت کے ابتدائی اور گول مول آثار نظر آئیں گے۔ ان ممالک میں بادشاہوں یا مذہبی رہنماؤں کو خدا یا اوتار کے درجے پر پہنچایا گیا۔ تو کچھ کو اچھوت یا غلام کر دیا گیا تھا۔

اس مسئلے کی تہہ میں جا کر اگر ہم غور سے دیکھیں گے تو نفس امارہ (خودی) (Animal Instinct) جس کی ایک صفت مال اور اقتدار کی خواہش ہے اور جس کو اخلاقیات (Ethics) کی اصطلاح میں مفاد پرستی کہا جاتا ہے۔ اس نے مختلف اشکال اور نمونوں میں ہر مذہب' ہر فلسفے اور ہر قوم کے چند گروہوں میں داخل ہو کر فسطائیت کی صورت اختیار کی ہے۔ فسطائیت کی بنیاد اس بات پر ہے کہ "لوگوں کو امیر' غریب' صحیح اور غلط' مضبوط اور کمزور اور صالح اور غیر صالح کے گروہوں میں تقسیم کر کے کچھ مخصوص مختصر افراد کا عوام پر جبرا" تسلط مسلط کیا جائے"۔ دنیا کے موجودہ سرمایہ داری نظام' نئے اور پرانے سامراج' مذہب کی غلط تشریحیں' آمرانہ حکومتیں اور عوام کا

استحصال (Exploitation) یہ تمام اس نظریے کی پیداوار ہیں۔

نیچے میں مثال کے طور پر مذکور شدہ تین دائروں یعنی مذہب' فلسفہ اور قوم میں سے ہر ایک پر فسطائیت کے اثر کی بابت روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔

1- مذہبوں پر فسطائی نظریے کا اثر:-

مذاہب نے قدیم زمانے سے لوگوں کے اعتقاد اور عمل کے لئے کچھ دستور مقرر کر کے ان کی رہبری اور ہدایت کرتے آئے ہیں۔ نفس امارہ (خودی) کا لوگوں کی طبیعت میں موجودہ ہونے کے سبب کتنے ہی مذہبی گروہ بھی اپنی اعلیٰ دعواؤں کے باوجود وہ امیر غریب' مضبوط اور کمزور' صالح اور غیر صالح' صحیح اور غلط کے تفرقوں کے جال سے خود کو چھڑا کر اپنے پیروکاروں کی صحیح رہبری کرنے میں کامیاب نہ ہو پائے ہیں۔

مذاہب کے دو اہم صیغے رہے ہیں جن کو "طریقت اور شریعت" کہا جاتا ہے۔ اہل طریقت کا واسطہ لوگوں کی صحیح تعلیم' تربیت' اصلاح نفس اور اخلاق کی درستگی کی طرف رہا ہے۔ جس کی باگ پیران طریقت" سادھوں اور راہبوں (Saints) کے ہاتھ میں رہی ہے اہل شریعت کا واسطہ لوگوں کے روز مرہ کے کاروبار زندگی وغیرہ سے رہا ہے جس کی باگ شیخ الاسلام' پوپ' پادری' برہمن' اور کھشیتری راجاؤں کے ہاتھ میں رہی ہے۔

ان دونوں گروہوں کے کتنے ہی کارکنوں میں مذکور شد فسطائی خیالات اثر انداز ہوئے نظر آتے ہیں۔ اماموں" خلفاء' پوپ' آچاری' مرشد' سادھو' اور راہبوں کو کتنے ہی حضرات نے فوق البشر قرار دے کر ان کو قدرتی قانون سے بالاتر سمجھ کر فوق الفطرت کرامات اور کارناموں کا حامل سمجھا ہے۔ اس لئے ان کو غلطیوں اور گناہوں سے معصوم سمجھ کر ان کی اندھی تقلید کرنا ضروری سمجھا' جن عقائد میں فسطائیت کا بنیادی اصول مضمر ہے۔ ایسے حضرات کو نطشے نے فوق البشر (Super Man) اور علامہ محمد اقبال نے مرد کامل کے نام سے تعبیر کیا ہے۔

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

نہ صرف کچھ صاحب شریعت حضرات اس غلطی کا شکار ہوئے ہیں بلکہ کتنے ہی اہل طریقت جن کی زیادہ توجہ روحانی باتوں کی طرف رہی ہے۔ ان خامیوں سے پوری

طرح آزاد نہ ہو پائے ہیں۔ انہوں نے اپنے مرشدوں اور گروں کو فوق العقل اور علم کا حامل سمجھ کر ان کی اندھی تقلید اور تابع داری ضروری سمجھی ہے۔ خواجہ حافظ شیرازی اس اثر کے تحت فرماتے ہیں کہ:-

بہ مئ سجادہ رنگین کن، گرت پیر مغان گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ ■ رسم منزلہا

میخانہ کو سجادو اگر تمہیں مرشد کہتا ہے۔ سالک راہ و رسم اور منزل سے بے خبر نہیں ہوتے۔

دوسرے مقام پر مولانا روم فرماتے ہیں:-

اولیان راہست قدرت از اللہ
تیر جستہ باز گردانند ز راہ

اولیائے اللہ کو قدرت نے طاقت عطا کی ہے۔ ان کے تیراندازی سے "باز" اس جگہ ہی گر جاتا ہے۔

اس طرح پیروں، گروؤں اور راہبوں کی خاص کلاس پیدا ہونے کا سبب یہی فوق البشر اور فوق العقل عقیدہ ہے۔

ہندوؤں میں برہمن کلاس کا پاک ہونا اور کھشتری کلاس کو حکومت کا حقدار قرار دے کر شودروں کو مزدور اور غلام رکھنا بھی اس فسطائی نظریے کے جزو ہیں۔

مسلمانوں میں سیدوں، پیروں اور عالموں کی جدا کلاس بننے میں اس مسئلے کا خاصہ دخل ہے۔

عیسائیوں میں پوپ، بشپ نہ صرف معصوم بلکہ دوسروں کے گناہوں کا چھٹکارا اور شفاعت کر سکتے تھے۔

ان عقائد نے منتخب گروہ اور لوگوں میں بڑے اور چھوٹے لوگ اور صالح اور غیر صالح کا فرق پیدا کیا۔

مذہب پر فسطائی خیالات کے اثرات کو مختصر بیان کرنے کے بعد مندرجہ ذیل، فلسفے پر اس کے اثرات کا ذکر کروں گا۔

2- فلسفے پر فسطائی نظریے کا اثر:-

کچھ عالم حضرات کہتے ہیں کہ فسطائیت کوئی الگ فلسفہ نہیں ہے۔ کیونکہ دنیا میں

صرف دو اہم فلسفے اس وقت مروج ہیں۔

1- آئیڈیلزم (عینیت) کا فلسفہ جس پر ہی روحانیت کی تمام فکری بنیاد ہے۔

2- مٹیریلزم (مادیت) کا فلسفہ۔

لیکن کتنے ہی عالموں کا کہنا ہے کہ فسطائیت ایک علیحدہ فلسفہ ہے۔ جو موجودہ دور میں جرمنی کے مشہور فلسفی ہیگل کی جدلیاتی عینیت (Dialectic Idealism) فلسفی نظریے کے سوا نام نہاد سائنسی اثباتیت (Pseudo-Scientific Positivism) اور نو مادیاتی رونمائی (Neo-realism) اور فلسفہ تجربیت (Empericism) سے اخذ کیا گیا ہے۔ ان تینوں بعد والے مادیاتی فلسفوں نے ایک طرف آئیڈیلزم کو رد کیا تو دوسری طرف مافوق الطبیعت علم باطن (Metaphysical Mysticism) پیدا کیا ہے جو عملی واقعیت (Pragmetism) کے اصولوں پر قائم شدہ ہے۔ اسی لئے فسطائیت کے قائل حضرات مذکورہ شدہ تین مادیاتی مسلکوں سے استفادہ حاصل کرنے کے باوجود بھی علم باطن کا استعمال کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

اطالوی فسطائیت کے سرکاری فلسفی گیاوانی جیسٹائل کا کہنا ہے کہ انسان فطری طور پر مذہبی ہے' مذہب کا مقصد تصور خدا ہے۔ اس لئے فرد جتنا مذہبی ہو گا اتنا ہی خدا کے قریب ہو گا۔ دراصل یہ فسطائیت کا نیم مذہبی' نیم مادیاتی اور طاقت اور تشدد کی برتری کا فلسفہ یورپ کے جدید مذہب انسانیت (Humanism) کے رد عمل میں پیش کیا گیا ہے۔

3- قوموں پر نظریہ فسطائیت کا اثر:۔

نظریہ فسطائیت نے کچھ قوموں کو نطشے کے فوق البشر (Super Man) اور علامہ شیخ محمد اقبال کے "مرد کامل" کی پیروکاری کا جواز پیدا کر کے دیا ہے۔

اس فوق البشر (مرد کامل) کے مسلک نے کبھی مرشد یا گرو کی صورت اختیار کی اور کبھی لیڈر اعظم اور آمر کی شکل میں ظہور پذیر ہوا۔

اس نظریے کے مطابق قدرت نے کچھ گروہوں یا قوموں کو مخصوص لوگوں کی راہنمائی میں دنیا کی رہبری اور رہنمائی کے لئے پیدا کیا ہے اس لئے یہ قومیں برگزیدہ یا منتخب ہیں۔

اسلام نے بنی نوع کو مساوات اور اخوت کا سبق دے کر چھوٹے اور بڑے' پسندیدہ

اور ناپسندیدہ کے فرق کو نکالنا چاہا تھا۔ اس کے برعکس فسطائیت نے "مرد کامل" کے ذریعے کچھ قوموں کو رہنمائی کے قابل سمجھ کر دوسری قوموں پر اس کے تسلط قائم کرنے کا جواز پیدا کیا ہے۔

اہل علم اس بات سے انکار نہیں کریں گے کہ علامہ محمد اقبال کے "خودی" کو بلند کرنے' مرد کامل کے تصور اور مسلم قوم کا "منتخب" ہونے کے سبب دنیا کی امامت کرنے کا نظریہ' شاپنھیئر اور نطشے کے فکری اثرات سے خالی نہ تھا۔ اس نظریے میں فسطائیت کے اصول مضمر تھے۔ یہ نظریہ ہمارے درویشوں کی تعلیم "خودی" کو ختم کرنا چاہیے۔ "وہ ذات پات نہیں پوچھتا" اور "جنہوں نے "خود" کو سمجھا ان کو ہی اس نے بے حال کر دیا" کے خلاف تھا۔ انہوں نے لوگوں کی صلاحیت کو صحیح علم' اصلاح نفس اور اخلاقی درستگی پر رکھنا چاہا تھا۔

فسطائیت کا اہم اصول فوق البشر (super Man) کا مسلک ہے۔ جس کا موجد شاپنھیئر کا پیروکار نطشے ہے۔ شاپنھیئر نے یہ سبق ہندوؤں کے اپانیشد سے حاصل کیا ہے۔ جس نے لوگوں کی مادیاتی فلاح اور بہبود کے لئے ذات پات کا قیام نہ صرف ضروری سمجھا بلکہ اس کو مذہب کا اہم اصول قرار دیا۔ اسی لئے کچھ ماہر فلسفہ کا کہنا ہے کیونکہ عامی یا چالو مادیت (Vulgar Materialism) اور ہندوؤں کے روحانی نظریے کے درمیان ایک خاص تعلق ہے۔ اسی لئے شاپنھیئر اور نطشے کے فکر پر کھڑے ہوئے فسطائی نظریے کی قوم پرستی او قومی برتری کے محرک جذبے کو ایک قسم کا "احیائے دین" کے جذبے کی حیثیت دی گئی ہے۔ شاپنھیئر حالانکہ پسیمسٹ (نراشائی) تھے۔ اور اس نے اپنی تمام عمر ہیگل کے انقلابی فلسفے کے خلاف جدوجہد میں صرف کی۔ اس کے باوجود بھی ان کے فلسفے میں یہودیوں کے خلاف نفرت کا اظہار تلاش کیا جا سکتا ہے۔

شاپنھیئر نے وجود زندگی کو گناہ سمجھا تھا۔ اس کا اہم سبب جرمنوں کا 1848ء کے انقلاب میں شکست کھانا تھا۔ جس طرح مغلوں کے تنزل کے وقت غالب نے کہا تھا کہ:۔

"قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں"۔

لیکن جب بسمارکوں نے جرمنوں کو منظم کر کے طاقت ور بنایا تو شاپنھیئر کے شاگرد

نطشے نے استاد کی تعلیم کو پیسمزم (نراشائی کے نظریے) سے تبدیل کر کے سنمسزم (کلیت = اشیاء کو حقارت سے دیکھنا) کر دیا۔ انہوں نے یہ تشریح کی کہ جبر اور بے رحمی زندگی کا حصہ ہیں۔ اس لئے حصول مال و اقتدار کے نقطہ نگاہ سے بد۔سیوں اور کمزوروں کو قبضے میں لا کر اپنے لئے استعمال کرنا جائز ہے۔ انہوں نے اسی لئے امراء اور ملٹری کلاس کی برتری کی بات کی۔

ہندوؤں میں سوامی رام کرشن کے اہم پیروکار سوامی و ویکانند نے ہندوؤں میں نئے سرے سے جان ڈالنے کے لئے ہندو فلسفے میں "خودی" کو داخل کرتے ہوئے۔ مثال دی کہ "زندگی میرے اوپر حاوی نہیں ہے۔ بلکہ میں اس کا مالک ہوں"۔ اسی طرح سے جرمن قوم میں زندگی پیدا کرنے کے لئے نطشے نے اس کے تتبع پر کہا کہ "شراب کو میں پیتا ہوں۔ شراب مجھے نہیں پیتی"۔ اسی طرح علامہ اقبال، مسلمانوں میں روح پھونکنے کے لئے ان حضرات کے ایجاد کیے ہوئے نظریات کو کام میں لائے۔

مطلب یہ ہے کہ تمام حضرات نے مذہبی پشت پناہی کے ذریعے قوموں کی ترقی کرانا چاہی تھی۔ جس کی بنیاد ان حضرات نے "خودی" پر رکھی تھی۔ جس نے فسطائیت کی صورت اختیار کر لی ان کی رائے کے موجب، جب کچھ قومیں خود میں "خودی" پیدا کر کے اپنی رائے کی مالک بنتی ہیں تو وہ منتخب اور اعلیٰ ہو جاتی ہیں اسی لئے ان کو دنیا کی رہبری اور امامت کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔

ہندوؤں، اطالویوں اور جرمنوں اور علامہ اقبال کے نظریات میں فرق صرف یہ تھا کہ پہلے تینوں کا دارومدار آریا نسل کی برتری میں تھا اور علامہ اقبال کا مسلمان "قوم" کی برگزیدگی اور اس کے فکر و عمل کی وحدت کی بنیاد میں تھا۔

اگر ہم گہری نظر سے دیکھیں گے تو حقائق دہر کے موجب نہ ہی مذکورہ تینوں اقوام خالص آریا نسل تھی اور نہ ہی تمام مسلمان برگزیدہ اور فکر و عمل میں یکساں تھے۔ یہ نظریات جذباتی بنیاد پر قائم کیے گئے تھے۔ جن کا "حقیقی دنیا" میں کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ اور ان کی بنیاد فلسفہ فسطائیت پر ہے۔

اگر آپ غور سے دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ نظریہ فسطائیت مندرجہ ذیل اصولوں پر قائم ہے۔

1- مال و اقتدار کے حصول کے لئے مفاد پرستی کا جذبہ۔

2- لوگوں میں چھوٹے بڑے کا فطری اور مستقل وجود تسلیم کرنا۔
3- کمزور اور طاقت ور میں زندگی کو تقسیم کر کے تنازع للبقا کے لئے تصادم کو لازمی قرار دینا۔

ان اصولوں کی مزید تشریح یہ ہو گی:۔

1- فسطائیت کی بنیاد' مفاد پرستی پر ہے:۔

میں نے شاہ لطیف بھٹائی کی درگاہ پر ہونے والی کانفرنس کے خطبے میں بتایا تھا کہ انسان میں کچھ حیوانی خواہشات پنہا ہیں۔ جن میں اہم خواہش حصول مال اور اقتدار ہے۔ جس کی بنیاد نفس امارہ (خودی) پر ہے اور اس حالت میں لوگوں کو سوائے شخصی فائدے کے' مجموعی فائدے اور نقصان کی تمیز نہیں رہتی ہے۔ بعد میں جب رفتہ رفتہ تجربے کے بعد اس میں مجموعی نفع اور نقصان کی تمیز پیدا ہوتی ہے تو اس کا نفس ترقی کر کے "لوامہ" کی منزل پر پہنچتا ہے۔ اور اس کے بعد جب اس میں قوت ارادی پیدا ہو کر مجموعی مفاد کے لئے ایثار اور قربانی کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ تو اس کا نفس "مطمئنہ" کی حالت پر پہنچتا ہے۔

اہل تصوف کا کہنا ہے کہ آدمی میں حیوانی (شیطانی) اور انسانی (ملکوتی) رویے بیک وقت کام کرتے رہتے ہیں۔ انہوں نے حیوانی رویے کو نفس امارہ کہا ہے۔ جو فرد کو خودی اور مفاد پرستی کی طرف لے جا کر مجموعی مفاد کے خلاف چلنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اور انہوں نے اس انسانی رویے کو نفس "مطمئنہ" کہا ہے جو فرد کو مجموعی مفاد کے لئے ایثار اور قربانی دینے کے لئے تیار کرتا ہے۔ پہلے رویے سے نفرت اور نفاق اور دوسرے میں سے اتحاد اور محبت پیدا ہوتی ہے۔

محبت اور نفرت کی جدید زبان میں یہ تشریح ہو گی محبت کشش (Attraction) یا تکمیل (Integration) کہا جا سکتا ہے۔ اور نفرت کو دھدکارنا (Repulsion) یا انتشار (Disintegration) کی قوت کہا جا سکتا ہے۔

اہل تصوف نے اسلام کو دین فطرت یا قانون ارتقاء کی تعلیم کہا ہے۔ جو لوگوں میں ترقی پیدا کرتی ہے۔ جس صورت میں "خودی" لوگوں میں شخصی اور گروہی مفاد کی خواہش پیدا کر کے باہمی نفاق پیدا کرتی ہے۔ اس لئے یہ صحیح روح اسلام کے خلاف

ہے۔ اس کو کیوں نہ عالم کونسے ہی رنگوں یا دلکش الفاظ میں پیش کریں۔ اس سے صرف سامراجیت کے لئے ہی جواز پیدا ہوتا ہے۔

گزشتہ خطبوں میں بتا چکا ہوں کہ سامراج دو قسم کے تھے:۔

1- مادیاتی

2- ذہنی

مادیاتی سامراجیت کچھ قوموں میں "منتخب" شدہ اور طاقت ور ہونے کا خیال ذہن میں رکھ کر دوسرے اقوام کو غیر صالح اور کمزور قرار دے کر' ایک قوم کو دوسری قوم پر تسلط قائم کرنے کی حوس پیدا کرتی ہے۔ اور طاقت ور قومیں اپنے اس ناجائز عمل کو صحیح ثابت کرنے کے لئے خراب اور ناکارہ لوگوں کو سدھارنے کے جواز کے طور پر پیش کرتی ہیں۔ نظریاتی یا ذہنی سامراجیت نے عالمگیر مذاہب یا نظریات کی صورت اختیار کر کے' بنی نوع کی رہبری اور ہدایت کے لئے ٹھیکیدار بننے کے لئے لوگوں میں حوس پیدا کی ہے۔ اور بعد میں ان مذاہب یا نظریات کے دعوی دار ان کے بنیادی مقاصد اتحاد بنی نوع امن عالم اور ترقی بنی آدم کو بھلا کر' اپنی گروہی تعلیم کو صحیح اور مکمل اور دوسرے مذاہب اور نظریات کی تعلیم کو غلط اور نامکمل قرار دے کر اپنی رائے اور قوت کو دوسروں کے اوپر جبراً" (جہاد) یا تبلیغ کے ذریعے مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ جس سے باہمی تنازعات اور مقابلے بازی کی بنیاد اور نفاق و نفرت کا بیج بویا جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ بدامنی اور فساد کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ اس کے سبب ہی یہ نظریاتی سامراج بعد میں فسطائیت کا جزو بن جاتے ہیں۔

2- فسطائیت کی بنیاد اونچ' نیچ پر ہے:۔

میں ذکر کر چکا ہوں کہ کسی طرح نفس امارہ فرد میں خودی پیدا کر کے مفاد پرستی کا سبب بنتا ہے۔

میں ابھی یہ بات سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ یہ افراد اپنی مفاد پرستی کے عیب چھپانے کے لئے کس طرح حق اور ناحق برے اور بھلے اور کمزور اور مضبوط کے دلائل سے لوگوں میں دوئی پیدا کر کے' اونچ' نیچ کے فرق پیدا کرتے

ہیں۔

اس نظریے کے جواز میں عقلی اور روحانی دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔ عقلی دلائل فلسفہ فسطائیت پیش کرتا ہے۔ اور روحانی دلائل کچھ مذاہب کی طرف سے اھرمن اور اھرمزد' پاک اور پلید یعنی بہشتی اور دوزخی (نوری یا ناری) اور پچھلے جنم کے کرم کے پھل کے عقائد وغیرہ کے نام میں پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ نظریہ انسانوں اور اشیاء کو ازل سے دو مدارج میں تقسیم کرتا ہے۔ جس کے مطابق کچھ صالح اور دوسرے غیر صالح' کچھ برے اور دوسرے بہتر اور کچھ نوری اور دوسرے ناری شمار کیے جاتے ہیں۔ سندھ کے درویشوں نے اس نظریے کو وحدت الوجود کی بنیاد پر' وحدت اور مساوات انسانی کے لئے نقصان دہ سمجھا ہے۔ یہ اس بات سے باخبر تھے کہ اس نظریے کی بنیاد پر سرمایہ داری پیدا ہوتی ہے اور لوگوں کا استحصال کرنے کی بنیاد پڑتی ہے۔ اسی لئے ہم اس نظریے کو فسطائیت کا جزو سمجھتے ہیں۔

3- فسطائیت تشدد اور پہل کی بنیاد پر ہے:۔

کچھ عالموں نے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ دنیا کے جانداروں میں کچھ فطری طور پر مضبوط اور طاقتور اور کچھ کمزور اور ناتواں پیدا ہوتے ہیں۔ جن کے درمیان بقاء کے لئے ہمیشہ تصادم اور مقابلہ بازی چلتی رہتی ہے۔ جس میں مضبوط کمزور کو ختم کر کے اس کی جگہ لے کر آئندہ کا وارث بن جاتا ہے۔ جس کو جدید زبان میں بقاء اصلح (Survival of the fitest) کا نظریہ کہا جاتا ہے۔

بہت سارے عالموں نے اس مسئلے پر بحث کی اور اس پر روشنی ڈالی ہے' لیکن ڈارون کے سائنسی تجسس کے بعد اس مسئلے کو خاصی قوت ملی ہے۔ اس میں عالم دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ کچھ نے جسمانی مضبوطی کو کامیابی کا سبب بیان کیا ہے تو دوسروں نے ذہنی صلاحیت کو اہمیت دی ہے۔ لیکن اس نظریے کے دونوں گروہوں نے تصادم اور مقابلے بازی کو زندگی کا اہم جزو سمجھا ہے۔ علامہ اقبال نے فرمایا ہے۔ کہ:۔

حیات جاودان' اندر ستیزاست

لیکن دنیا میں کچھ ایسے عالم اور بزرگ بھی تھے اور ہیں۔ جن کا اس نظریے پر اعتقاد نہیں تھا۔ اور نہ ہی انہوں نے زندگی کی بقاء اور ترقی کی بنیاد تنازعہ اور تصادم کی بجائے باہمی تعاون اور اتحاد میں رکھی ہے۔ آج کل مختلف اسباب کے سبب پہلے نظریے کے پیروکاروں کا دور دورہ ہے۔ یہ تمام اس خیال میں ہیں۔ کہ زندگی جیتنے اور ہارنے کے اہم مشغلے میں پھنسی ہوئی ہے۔ اشتراکی طاقتیں اس خیال سے سرمایہ داری کے خلاف مقابلے بازی میں مصروف ہیں۔ اور سرمایہ داری اپنے مستقل مفاد کی بقاء کے لئے ہر طرح کے حیلے کر رہی ہے۔ مختلف مذاہب اور ان کے فرقے اپنی طاقت کے زور پر ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کے کام میں مصروف ہیں۔ مطلب کہ

کس نمی گوید کہ دوغ من ترش است

کوئی بھی نہیں کہہ رہا ہے کہ میری لسی ترش ہے۔

کا معاملہ زور و شور سے جاری ہے۔

"تنازع للبقاء اور بقاء اصلح" کے اس نظریے کے پیچھے دوئی اور تشدد کے عناصر کارفرما نظر آتے ہیں۔ جو فسطائیت کا اہم جزو ہے۔ مذاہب کو بھی علماؤں نے اس میدان کار زار میں شامل کر دیا ہے۔ مسلمانوں میں بھی ایک گروہ ابتداء ہی سے اس خیال سے متاثر رہا ہے۔ جس کے سبب انہوں نے اپنے نقطہ نگاہ کی صلاحیت اور برتری پر اعتقاد رکھ کر' اس کو جبرا" تمام دنیا پر مسلط کرنے کا سوچا تھا۔ جس کو غلبہ اسلام کے لئے جہاد کا نام دیا ہے۔ مہدیوں کا پیدا ہو کر تمام دنیا میں اسلام پھیلانے کا نظریہ اس نقطہ خیال سے نکلا ہوا ہے۔ موجودہ دور میں اس نقطہ نگاہ کی تشریح عالمانہ اور فلسفیانہ انداز میں علامہ محمد اقبال نے کی ہے۔

لیکن سندھ کے کثرت تعداد درویشوں اور ان کے ہم خیال عالموں نے اس نظریے اور تشریح سے روز اول سے اتفاق نہیں کیا ہے۔ وہ وحدت الوجود کے نظریے میں اعتقاد رکھنے کے سبب' ابتداء سے ہی "تعاون للبقاء اور امن برائے ترقی" کے مسلک کو مانتے رہے ہیں۔ تصادم کو حیوانی صفت قرار دے کر اس کو رد کیا ہے۔ اور اس لئے انہوں نے اتحاد بنی نوع' امن عالم اور ترقی بنی

آدم کو تمام مذاہب کا بنیادی اصول قرار دے کر وحدت مذاہب کی پرچار کی ہے۔ انہوں نے تمام افراد کو ایک درخت کی شاخیں یا ایک بدن کے عضو سمجھا ہے۔

بنی آدم اعضائی یکد یگراند' کہ در آفرینش یک جوہراند
چویک عضوہ بدرد آورد روزگار' ہمہ عضوہ ھارا نمائد قرار

تمام انسان ایک ہی بدن کے جزو ہیں۔ اور خلقت میں ایک ہی جوہر سے پیدا شدہ ہیں۔ بدن کے ایک عضو کو درد پہنچتا ہے۔ تو تمام عضو بے قرار ہو جاتے ہیں۔

مون کي اکڙين، وڏا نورا لاتيا،
تہ ہٹ پرين پسن، کٿان جي کر سامهون!
(شاھ)

مجھ پر آنکھوں نے بڑی مہربانی کی۔ اگر رقیب کو بھی ان سے دیکھتا ہوں۔ تو مجھے محبوب نظر آتا ہے۔

سائينم، سدائين ڪرين، مٿي سنڌ سڪار،
دوست تون دلدار، عالم سڀ آباد ڪرين!
(شاھ)

اے میرے سائیں سندھ کو ہمیشہ سرسبز و شاداب رکھ۔ اے میرے محبوب تو ساتھ ہی تمام دنیاء عالم کو سرسبز و شاداب رکھ۔

وغیرہ کے مثال اس بات کا ثبوت ہیں۔ ان کا کہنا ہے۔ کہ جس اسلام نے دنیا میں محبت اور اتحاد' مساوات اور اخوت اور امن و سلامتی کا پیغام لایا ہے' وہ کس طرح نفرت اور نفاق طاقتور اور کمزور اور تنازعات اور فساد کے خیالوں اور رویہ کی اجازت دے گا۔ انہوں نے ان نظریات کو صحیح تعلیم اسلام کے خلاف سمجھا تھا۔

اسی لئے انہوں نے وحدت مذاہب' وحدت انسانی اور تعاون برائے ارتقاء کی پرچار کی ہے۔

اسی لئے ہمارے کارکنوں کو چاہیے کہ مندرجہ ذیل باتیں صاف طور پر ذہن نشین کریں۔

1- وہ نظریے یا مذہبی تشریحیں' جو بنی نوع میں مذہبی اور قومی برتری کی بنیاد پر فرق اور دوئی پیدا کر کے' نفاق و نفرت کے سبب بنتے ہیں۔ وہ کون سے بھی دلفریب اور رنگین انداز میں ہمارے سامنے پیش کیے جائیں تو بھی ہمیں انہیں قبول نہیں کرنا چاہیے۔

تو برائے وصل کردن آمدی نی برائے فصل کردن آمدی

تم ملاپ کے لئے آئے ہو نہ کہ جدائی پیدا کرنے کے لئے' کا سبق دل میں رکھنا ہے۔

2- وہ علمی تشریح جو حق اور صداقت کی اجارہ داری کسی مخصوص گروہ کی سمجھے' اس سے دور رہنا ہے۔ شاہ عبداللطیف علیہ نے فرمایا ہے۔

عين شرڪ اي؛ جو بي شرڪ پاڻ کي۔

یہ ہی شرک ہے کہ تم خود کو بے شرک سمجھتے ہو۔

حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

محی با این زندگانی گر گمان داری کہ تو
راہ حق رفتی یقین می دان کہ فکر باطل است

3- تشدد اور پہل سے ہر حالت میں دور رہنا ہے۔ زور و جبر ہر حالت میں محبت اور ملاپ امن اور سلامتی اور انسانی ترقی کے خلاف ہے۔ ہمیں وجود کو گنوانے یعنی فرد کو بنی نوع کے مفاد کے لئے ایثار اور قربانی کا سبق سکھانا ہے۔ ہمارا جہاد نفس امارہ (خودی) سے ہو گا۔ اور نہ ہی اللہ کی مخلوقات کو مارنے کا۔

4- ہمیں یہ بات صاف طور پر سمجھنی ہے کہ تنازع اللبقاء کا نظریہ فسطائی تعلیم کا جزو ہے۔ اس لئے ہمیں "تعاون برائے ترقی" کے نظریے میں اعتقاد رکھنا ہے۔ اور

لکم دینکم ولی دین

ترجمہ:- تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔

کے بے مثل سبق کو مشعل راہ بنانا ہے۔ جس کو انگریزی میں (Co-Existance) یا بقاء باہمی کے سبق کو ذہن نشین کرنا ہے۔ فسطائیت اگر کسی بھی صورت میں ہمارے سامنے آئے۔ تو اس کو پرکھنے کی نظر ہم میں ہونی چاہیے۔ جس طرح ایک شاعر نے کہا ہے۔

بھر رنگی کہ خواہی جامہ می پوش
من ز انداز قدت راہی شاسم

رنگ برنگی چاہے کسی بھی جام اور پوش میں ہو۔ میں اس کے انداز ساخت سے اس کو پہچان جاتا ہوں۔

غلام مرتضیٰ

بزم صوفیائے سندھ کے تحت 18 اور 19 نومبر 1966ء کو "سن" میں منعقد ہوئی۔ چھٹی کل سندھ ثقافتی کانفرنس میں محترم جناب جی۔ ایم۔ سید صاحب کا پڑھا ہوا افتتاحی خطبہ

عزیز بھائیو!

ڈٹھڑو، ضلع سانگھڑ میں، پیر حسن بخش شاہ کے عرس پر منعقد کی گئی کانفرنس کے موقع پر پڑھے ہوئے خطبہ میں، میں نے کہا تھا کہ

"سرزمین سندھ کو اتحاد بنی نوع، امن عالم اور لوگوں کی مادیاتی اور روحانی ترقی کے لئے ایک خاص پیغام ہے۔ اس پیغام کی ہمارے ولیوں اور درویشوں نے حتی الامکان تشریح کر کے لوگوں کی تعلیم و تربیت کیلئے کوشش کی ہے"۔

مزید کہا تھا کہ

"ویسے تو ہر ملک اور قوم کو اپنا "پیغام" ہوتا ہے، لیکن سندھ کو جغرافیائی اور تاریخی طور پر مختلف کلچروں اور مذہبی عقائد کے ملاپ کے سبب خاص خصوصیات ہیں"۔

اس سے مندرجہ ذیل دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔

1- سرزمین سندھ کی کون سی تاریخی اور جغرافیائی خصوصیات ہیں؟

2- اس کے خاص "پیغام" کے کون سے اہم اصول تھے؟

پہلے میں سندھ کی خصوصیات کا ذکر کر کے بعد میں اس کے پیغام کے اہم اصولوں کا ذکر کروں گا۔

سرزمین سندھ کی خاص خصوصیات

اس کا ذکر کرنے کیلئے میں اپنے ایک پرانے خطبے میں ذکر کئے ہوئے خیالات کو دھرا رہا ہوں۔ یہ خیالات میں نے 24 دسمبر 1943ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کراچی میں جو قائد اعظم محمد علی جناح کے زیر صدارت ہوا تھا' استقبالیہ کمیٹی کے صدارتی خطبے میں ظاہر کئے تھے۔ اس خطبے کے کچھ اقتباس یہ ہیں۔

"دوستو' فطرت نے اس زمین کا ماضی نہایت ہی شاندار کیا ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ اس کا مستقبل بھی ایسا ہی روشن ہو گا"۔

کتنی ہی باتوں کے سبب' اس زمین کی تعریف نہایت ہی بے نظیر رہی ہے۔ یہ قدیم تہذیبوں کا آشیانہ ہے جس کا ثبوت "موہن جودڑو" کے آثار قدیمہ سے ملتا ہے۔

یہ وہی سرزمین ہے' جہاں دنیا کے کتنے ہی نسل مل جل گئے ہیں۔ دراوڑ' آریا' سامی اور منگول نسل کے نشان یہاں آسانی سے مل پائیں گے۔

ناصرف نسلوں کا میل جول اس زمین پر ہوا بلکہ مختلف مذاہب اور فلسفوں کا ایک دوسرے پر اثر اور ملاپ یہاں جیسے ہوا یہ دوسرے کسی مقام پر مشکل سے ہی ہوا ہو گا۔ بدھ دھرم حالانکہ وسطی ہندوستان میں پیدا ہوا۔ لیکن یہ اس سرزمین پر ہی آگے بڑھا اور ترقی پائی۔ اسلام نے جب اس زمین پر پاؤں رکھا تو بدھ دھرم ابھی تک یہاں مروج تھا۔ اور یہاں کے باسیوں نے مہاتمہ گوتم بدھ کے "نفی" والے سبق کو ابھی تک نہیں بھلایا تھا۔ اسلام نے صرف پہلے کی تعلیم میں اثبات کا اضافہ کیا۔ ویدانیت اور وحدانیت کے فلسفے اور اصول یہاں ہی ایک دوسرے پر اثر انداز ہوئے۔ ایک طرف وحدانیت نے ہندو یوگیوں پر اثر کر کے بت پرستی کو کم کیا' تو دوسری طرف مسلم درویشوں نے سنیاس سے سبق حاصل کئے اور راگ کو تصوف کا جزو بنایا۔ ہندو مسلم عقائد باہمی سمجھوتے اور رواداری سے ایک دوسرے کے نزدیک آنے لگے۔ گرو نانک کی تعلیم اس میل جول کے نچوڑ کی اہم مثل اور نتیجہ ہے۔ مسلم

صوفیوں نے اس ملک میں شاہ عبداللطیف کی رہنمائی میں مذاہب کے بنیادی وحدت کی پرچار کر کے، مختلف مذاہب کے پیرو کاروں میں محبت اور رواداری پیدا کی۔ جس کا عملی ثبوت یہاں ہندو مسلم باسیوں کے باہمی خوشگوار تعلقات سے مل پائے گا۔ ہندوستان کے دوسرے حصوں کی طرح چھوت چھات کا مرض سندھ میں تلاش کرتے ہوئے بھی نہیں ملے گا۔

قدرت نے اس ملک کو تجارت کے ذریعے، جس کے مراکز سمندری راستے دیبل بندر اور خشکی کے راستے بخارہ اور سمرقند تھے۔ انہوں نے دنیا کے خاصے حصے کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا تھا جس کے سبب تجارت کے ساتھ مختلف ممالک کی تہذیبیں اس ملک میں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوئیں۔

اس ملک کی زرخیزی نے کتنی ہی نسلوں کو یہاں منتقل ہونے کی ترغیب دی، جنہوں نے آ کر اس کو اپنا وطن بنایا۔ جس کی بابت آثار قدیمہ اور تاریخی کتب کافی معلومات میسر کرتے ہیں۔

سیاسی نقطہ نگاہ سے یہ زمین کتنے ہی گروہوں کے اس پر قابض ہونے کیلئے میدان کارزار رہی ہے۔ اس سرزمین کی شادابی نے کتنے ہی طاقتور قبیلوں کو اس طرف آنے کیلئے خواہش پیدا کی۔ کچھ تو اس کو لوٹ کر واپس چلے گئے تو کچھ یہاں دل لگنے کے سبب رہ گئے۔ اسی طرح ہر دور میں نئے نسل، تازہ خون اور نئے ولولے سے یہاں آباد ہوتے رہے ہیں۔ گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہاں بابل، مصر، یونان، عرب اور افغانستان کے سیاسی اور کلچرل اثرات نمایاں صورت میں نظر آئیں گے۔ میں نے اس زمین کے قدیم شان و شوکت کا ذکر صرف معزز مہمانوں کی یاد تازہ کرنے کے ارادے سے نہیں کیا ہے بلکہ میرا اصل مقصد اس سرزمین کے مستقبل کے بابت چند تجاویز پیش کرنے کا ہے۔

بنی نوع ابتدائی زمانے سے مختلف ارتقائی دور طے کرتے ہوئے اپنے آخری مقصد یعنی انسانی وحدت خیال اور عمل کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اس کیلئے مختلف گروہوں کے مذہبی، سیاسی اور اقتصادی تحریکوں اور کوششوں نے منزل مقصود پر پہنچنے کیلئے جدا جدا طریقوں اور راستوں کا کام دیا ہے۔ تاریخ کا ہر ورق اس ارتقائی جدوجہد کی مثالوں سے بھرا ہوا ہے۔ شروع میں لوگ چھوٹے چھوٹے کنبوں میں تقسیم تھے۔

رفتہ رفتہ وقت گزرنے کے ساتھ کنبوں نے قبیلوں کی صورت اختیار کی اور آخر میں یہ قبائل قوم بنے۔

لوگوں کے درمیان باہمی اتفاق اور ملاپ کی مختلف بنیادیں رہی ہیں۔ جائے رہائش (وطن) زبان' زندگی کا طریقہ اور خیالات ان میں اہم ہیں۔ آج کل نظریہ (Isms) ہر طرف فیشن بنتے جا رہے ہیں۔ لیکن انہوں نے بھی امن کی بجائے فساد ہی پیدا کیا ہے۔ جزوی حل' مختلف ناموں میں عارضی دور کیلئے مستعمل رہنے اور تاریخی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد ازخود بیکار ہو جاتے ہیں۔ جب تک مختلف سیاسی' اقتصادی اور مذہبی نظریات کے اختلافات کو ختم کرنے کا حل تلاش نہیں کیا جاتا تب تک دنیا میں دائمی اتحاد اور امن قائم ہونا مشکل نظر آ رہا ہے۔ اس حل کو تلاش کرنے کیلئے خاص ماحول اور تاریخی روایات کے تحت ذہنی تربیت حاصل کرنا لازمی امر ہے۔

اس مشن کی سرانجامی کے لئے سرزمین سندھ کے باسی زیادہ موزوں ہیں۔ قدیم تاریخ گواہ ہے کہ کس طرح یہاں مختلف نسل' تہذیبیں' مذہبی فلسفے اور سیاسی طریقے مل جل کر یک رنگی اختیار کر چکے ہیں۔ "دنیا کی نئی تعمیر کیلئے جس میں مشرق و مغرب کی دوریاں ختم ہو کر ایک وحدت میں اکٹھے ہونے ہیں۔ اس کیلئے سرزمین سندھ کو ایک خاص پیغام پیش کرنا ہے۔ مجھے اس تاریکی کے دور میں کچھ روشنی کی کرنیں نظر آ رہی ہیں۔ اس جسمانی جانفشانی کے بعد "مکھن" یہاں سے ہی نکلنا ہے۔

اس بات کو 23 برس گزر چکے ہیں۔ میرا ابھی تک یہی ایمان ہے بلکہ خواہش ہے کہ ہر سندھی اس رنگ میں رنگ جائے۔

سرزمین سندھ کا خاص پیغام

اس خطبے میں' میں نے سندھ کی خصوصیات اور اس کے خاص پیغام کا میں نے ذکر کیا تھا۔ لیکن اس خاص پیغام کی تشریح نہیں کی تھی کہ وہ پیغام کیا ہے اور وہ کس طرح مشرق اور مغرب کی دوریاں ختم کر کے ان کو ایک وحدت میں ملائے گا اور کس طرح مختلف سیاسی' اقتصادی اور مذہبی نظریات کے اختلافات ختم کر کے دنیا میں دائمی اتحاد اور امن قائم کرے گا۔

آج اس خطبے میں اس مسئلے کو اپنی وسعت فہم کے مطابق کچھ واضح کرنے کی

کوشش کروں گا' کہ ہمارے کارکنوں کے دماغ اس پر غور اور فکر کرنے کی طرف توجہ دیں۔

میں گزشتہ خطبوں میں بتا چکا ہوں کہ بنی نوع کی زندگی کے اہم مقاصد اتحاد بنی نوع' امن عالم اور لوگوں کی روحانی اور جسمانی ترقی تھی۔ نیچے میں اتحاد بنی نوع کے حصول کے مسئلے پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔ اتحاد انسانی کیونکہ امن عالم کا ضامن ہے اور امن عالم ہی بنی نوع کی ترقی کے لئے معاون اور مددگار ہوتا آیا ہے۔

اتحاد انسانی کس طرح حاصل کیا جا سکے گا

شیخ سعدیؒ کا کہنا ہے کہ "تمام انسان جسم واحد کے جزو اور ان کا دکھ درد ایک ہی ہے۔

لوگوں میں جدائی اور نفاق کی مثال سندھی پرائمری چوتھی کلاس کی کتاب میں پڑھی ہوئی کہانی' جس میں بتایا گیا تھا کہ "ایک بار بدن اور عضو کا آپس میں حسد ہوا۔ ہاتھ اور پاؤں نے کہا کہ کمائیں اور چلیں' ہم اور تمام کھانا جائے پیٹ میں' اس سے ہمیں کیا فائدہ؟ اس کے سبب ہاتھوں اور پیروں نے چلنے اور کام کرنے سے انکار کیا اور منہ نے کھانا بند کیا۔ چار پانچ روز کے بعد تمام عضو کمزور اور ڈھیلے پڑنے لگے۔ اس کے بعد اس حالت کے سبب یہ تمام کسی مدبر کے پاس گئے۔ انہوں نے ان کو کہا اے بے وقوف کھانا صرف پیٹ بھرنے کے کام نہیں آتا بلکہ اس کے ذریعے بدن کو قوت ملتی ہے۔

ذکر کر آیا ہوں کہ شیخ سعدیؒ نے تمام بنی نوع کو جسم واحد کہا ہے اس کے مدنظر لوگوں کا اتحاد جو فرد کی بہتری اور بقا کا سبب بنتا ہے اور نفاق' باہمی حسد اور مفاد پرستی نہ صرف قوموں کیلئے نقصان دہ ہے بلکہ افراد کی زندگی کیلئے بھی تباہ کن بنتے ہیں۔

گزشتہ خطبوں میں نفاق اور نفرت کے تین اسباب' خود غرضی' مذہب کی غلط تشریح اور فسطائی نظریات پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ نیچے میں اتحاد انسانی کیلئے ضروری پانچ" تجاویز پیش کرنے کی کوشش کروں گا جس کو "پیغام سندھ" کہا جا سکتا ہے جس کیلئے ہمارے درویشوں نے وقت بہ وقت پرچار کیا۔

1- کثرت مذاہب کے پیچھے بنیادی وحدت کی خبر

جس کے مطابق تمام مذاہب کے پیروکاروں کو باہمی سمجھوتے' رواداری اور باہمی تعاون کے ذریعے اتحاد' امن اور انسانی ترقی کے لئے ایک ساتھ کام کرنے کیلئے آمادہ کرنا ہے۔

نیچے چند مثالیں کچھ مذاہب کی خوش فہمی اور غلط تصورات کی بابت پیش کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہوں گی۔

1- کتنے ہی ہندو مذہب کے شارحین کا دعوئی ہے کہ تمام بنی نوع کی "مکتی" صرف اس مذہب کے فلسفہ زندگی' تعلیم اور طریقے کار سے حاصل ہو سکتی ہے اور اس سے باہر تمام انسان ملیچھ اور ناپاک تھے۔ ناصرف اتنا بلکہ ہندو مذہب میں برہمن اور کھشتری خاص لیاقت اور رہبری کے قابل تھے اور دوسری دو ذاتیں ویشنو اور شودر کمتر تھے۔

2- اس طرح سے کتنے ہی عیسائی عالموں کا کہنا ہے کہ بنی نوع کی نجات اور ہدایت صرف عیسائی مذہب کی پیروکاری سے حاصل ہو گی' اور تمام گمراہ' گناہ گار اور دوزخی ہیں۔ لیکن تعجب کی بات ہے کہ ان میں تین اہم فرقوں رومن کیتھولک' پراٹسٹنٹ اور گریک چرچ کے دعوے تھے کہ ان میں سے ہر ایک حق پر اور دوسرے ناحق پر تھے۔ اس کے بعد تو یہ مذہب سینکڑوں فرقوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔ جس میں سے کوئی بھی یہ بات کہنے کے لئے تیار نہیں ہے کہ :-

"دوغ من ترش است"

میری لسی ترش ہے۔

3- یہی حالت کم و بیش اسلام کے کتنے ہی شارحین کی ہے۔ ان کے کہنے کے مطابق دین اسلام مکمل' آخری اور عالمگیر مذہب ہے۔ جس کے رائج ہونے کے بعد گزرے ہوئے تمام مذاہب کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ اس دین میں بنی نوع کی مشکلات کا حل اور لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے مکمل فلسفہ حیات موجود ہے۔ اور قرآن شریف میں ہر زمانے' ہر حالت اور ہر ضرورت کا حل سمایا ہوا ہے۔ اس کے پیرو کار دنیا میں منتخب اور مثالی قوم ہیں۔ جس کو تمام بنی نوع کی رہبری کرنی ہے۔ بنی نوع کا اس کو ہی علاج وہ قرار دے رہے ہیں اور ان کی نظر میں اس سے باہر تمام انسان

مشرک اور کافر ہیں جو جہنم میں جائیں گے۔ اسی لئے تمام بنی نوع کو جہاد اور تبلیغ کے ذریعے اسلام میں لانا عین منشاء خدا ہے۔

لیکن تعجب یہ ہے کہ اس مذہبی تشریح کے دعوے دار خود 350 فرقوں میں بٹ چکے ہیں جن میں سے ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ ان کا فرقہ "نوری" یعنی جنت کا حقدار ہے اور دوسرے تمام "ناری" یعنی جہنم جانے کے مستحق ہیں۔

دوسرے مذاہب کے شارحین نے بھی یہی کم و بیش کہنا تھا۔

لیکن تمام مذاہب میں کچھ ایسے بھی حضرات تھے جو ان دعووں کو نامکمل اور بڑھاؤ سمجھ رہے تھے۔ انہوں نے تمام مذاہب کے پیچھے بنیادی وحدت کو پرکھ کر اس کی پرچار کی ہے انہوں نے اسلام کو محبت' امن اور ارتقاء انسانی کا مذہب سمجھ کر ایسی تعلیم دی ہے۔

"عشق سارو اسلام، مذهب محبت عين مبارک،"

(مصري شاه)

تمام عشق اسلام ہے۔ مذہب اور محبت عین مبارک ہو تمہیں۔

ان کو معلوم تھا کہ مختلف مذاہب کی طرف سے ایک دوسرے کو غلط کہنے کی خود قرآن شریف نے بھی مخالفت کی ہے۔

وقالت الیهود لیست النصاری علی شی و قالت النصاری لیست الیهود علی شی و هم تیلون الکتاب کذالک قال الذین لا یعلمون مثل قولهم فا الله یحکم بینهم یوم القیامته فیم کانو فیه یختلفون

ترجمہ:- یہودی کہتے تھے کہ نصار حق پر نہیں ہیں اور نصار کہ رہے تھے کہ یہودی ناحق پر ہیں۔ باوجود اس کے کہ وہ وہی کتاب پڑھتے تھے۔ اس طرح سے جن کو کچھ علم نہیں ہوتا تھا وہ بھی یہی کہتے تھے۔ اللہ ایسی باتوں کا فیصلہ بروز قیامت کریں گے۔

لیکن اس کے باوجود کتنے ہی مسلمانوں نے اس سے سبق حاصل نہیں کیا۔ اور محض صرف خود کو ہی حق سمجھتے آ رہے ہیں۔ یا شائد قرآن مجید کی اس آیت کا ترجمہ انہوں نے ذہن نشین نہیں کیا ہے۔

ان الذین امنوا و الذین هادوا والنصاري و الصائبین من امن بالله والیوم

الاخر و عمل صالحا فلهم اجر هم عند ربهم ولا خوف علیهم ولا هم یحزنون

ترجمہ :- جو ایمان لائے ہیں (مسلمان) اور یہودی اور نصارا اور دوسرے مذاہب کے ہیں۔ ان میں سے جنہوں نے ایمان لایا ہے اور مستقبل پر ان کا آسرا ہے اور اچھے کام کرتے ہیں ان کو خدا سے فائدہ ملے گا۔ اور وہ خوف و خطرے سے آزاد ہیں۔

اس صاف حکم کے باوجود بھی انہوں نے جنت اور نجات کا حقدار صرف مسلمانوں کو ہی سمجھا ہے۔ جس میں ہر قسم کے ظالم' غاصب' زانی' راشی اور بدکار بھی ہیں۔ ایسے تمام لوگوں کو جداگانہ اور منتخب قوم کہا جاتا ہے۔

وہ مذہب جو بنی نوع سے اونچ نیچ' ذات پت رنگ و نسل کے فرق کو مٹانے اور مختلف فرقوں اور مذہبوں کے نام پر لوگوں کے درمیان کھڑی ہوئی دیواروں کو گرانے آیا تھا اور جو مساوات' اخوت' وحدت مذاہب' اتحاد بنی نوع' امن عالم' اور ترقی بنی آدم درس دینے آیا تھا۔ اس کو ان حضرات نے جدا گروہ بنا کر فسطائی نظریے کے مطابق قومی تفوق کی بنیاد پر پہل اور تشدد کی تعلیم کا حامی بنایا ہے ہمارے درویشوں کا اصول وحدت مذاہب ہے۔

ايڪ قصر در لک، ڪوڙين منجهس ڳڙ ڪيون،
جيڏانهن ڏيکر پرک، تيڏانهن سڄڻ سامهون!

ایک گھر ہے جس کے کئی دروازے اور کھڑکیاں ہیں' جہاں سے بھی دیکھتا ہوں وہاں سے محبوب نظر آرہا ہے۔

ڪفر ۽ اسلام ۾، ٽــا ڦــرن آڇا ٻيــر،
هڪ هندو ٻيا مسلمان، ٽيون وچ وڌائون وير،
انڌن اونده نہ لهي، تن کي سچ ڇوندو سير!
”روحل“ راهبرن جي، جان ڳوڙي ڏاوسين ڳهير،
تہ رب مڙني ۾ هيڪڙو، جنهن ۾ ڦند نہ ڦير،
سا ڏاڏي ڏسندي پير، جا ستي ڪعبة الله ۾!

کفر اور اسلام میں غلط راہیں متعین کرتے ہیں ایک ہندو ہوئے دوسرے مسلمان تیسرا۔ انہوں نے آپس میں دشمنی کی۔ اندھو کو اندھیرے کی کیا خبران کو سچ

کون کہے گا۔ اے "روحل" میں نے محبوب کی راہ کا گھاٹ گھوم کر دیکھا تو رب سب کا ایک ہے۔ جس میں کوئی بھی فرق نہیں ہے۔ وہ کس طرف پاؤں کرے جو کعبتہ اللہ کے اندر سوئی ہوئی ہے۔

2- قومی تفرق اور مفاد پرستی کو ختم کرنا

بنی نوع کے اتحاد کے لئے جو دوسرا پیغام سندھی درویشوں نے دیا ہے وہ فسطائی نظریئے کی قومی برتری اور مفاد پرستی کو بنی نوع انسان کے مجموعی مفاد کے لئے قربان کرنا ہے۔ انہوں نے قوموں کو بنی نوع کے جسم کا جزو سمجھا ہے۔ قرآن شریف میں ہے کہ:۔

"یا ایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثی و جعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا' ان اکرمکم عند اللہ اتقا کم ان اللہ علیمٌ خبیر"۔

ترجمہ:۔ اے انسانوں! آپ کو عورت مرد کی جوڑی میں پیدا کر کے' قوموں اور قبائل میں باہمی شناخت کے لئے تقسیم کیا گیا ہے۔ لیکن خدا کے پاس وہی پسندیدہ ہے جس کے کام اچھے ہیں۔ بیشک اللہ آپ کو جانتا ہے اور دیکھ رہا ہے اور خبردار ہے۔

3- نظریاتی پیروکاری سے دور رہنا

اتحاد بنی نوع کے لئے جو تیسرا سبق سندھی درویشوں نے سکھایا ہے وہ یہ ہے کہ کسی بھی مذہبی' اقتصادی اور سیاسی نظریے کو مکمل سمجھ کر اس کی اندھی تقلید کرنے سے پرہیز کیا جائے۔ نظریئے لوگوں کے پیدا شدہ ہیں اور فرد اس کا محتاج نہیں ہے۔ بہتر چیز حاصل کرنے اور خراب کو چھوڑنے کے مشورے پر عمل کرنا چاہیئے۔ شاہ لطیف" نے فرمایا ہے۔

صوفي لا ڪوفي، ڪونہ ٻانڌيس ڪي،
منجهاني منجھ وڙهي، ٻڌر نہ آهس ٻين،
جنين سانُس وير، هي تنين جنو واهرو. (شاہ)

صوفی لاکوفی ہے اس کا کسی سے تعلق نہیں ہے وہ اپنے من میں ہی جھگڑتا رہتا ہے۔ جس سے اس کی دشمنی ہے اس کا ہی وہ مددگار ہے۔

"لاکوفی" لفظ کا معنی جدید اصطلاح میں "غیرجانبدار" (Non-aligned) ہے۔

4- تشدد (ہنسا) کے طریقے کو ترک کرنا

سندھ کے درویشوں نے اتحاد اور امن کی کنجی عدم تشدد کے طریقے کو سمجھا ہے۔ اس کے مطابق ہر فرد اور قوم کو اظہار خیال کی آزادی کا مکمل حق ہے۔ اختلافات کے حالات میں اس کو باہمی سمجھوتے اور رواداری کی بنیاد پر طے کرنا ہے' سمجھوتے نہ ہونے کی صورت میں۔

"لکم دین کم ولی دین"

ترجمہ:- تیرے لئے تمہارا اور میرے لئے میرا دین"۔ پر عمل کرنا ہے آج کل اس کو بین الاقوامی اصطلاح میں "بقاء باہمی" (Co-existence) کہا جاتا ہے۔ اور اپنے نظریات کو دوسروں پر مسلط نہیں کرنا چاہئے۔ شاہ لطیف فرماتے ہیں۔

- اڳ اڳرائي جو ڪري، ختا سو کائي،
پاند ۾ پائي، ويو ڪيني وارو ڪينڪي! ([illegible])

جو پہل کرتا ہے وہی نقصان میں جاتا ہے۔ کینہ پرور اور حملہ آور کو ہمیشہ منہ کی کھانا پڑتی ہے۔

ڪشي ڪان ڪمان مان، ميان مار م مون،
مون ۾ آهين تون، متان تنهنجو ئي توکي لڳي!
([illegible])

تیر کمان میں ڈال کر اے میاں مجھے مت مارو کیونکہ تم میرے اندر موجود ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارا ہی تمہیں لگے۔

5- تنازع کی بجائے تعاون کے ذریعے ترقی اور بچاؤ کی راہ پر چلنا چاہئے

دنیا میں اس وقت بچاؤ کے لئے تنازع اور ارتقاء کے لئے مقابلے کو ضروری سمجھا جاتا ہے۔ جس کی بنیاد پر ہر کوئی اپنی ترقی اور بچاؤ کی کوشش میں مصروف ہے۔ اس لئے امیر' غریب' کمزور' طاقتور' حاکم' محکوم اور خراب اور اچھے کے مستقل مفاد بن چکے ہیں۔ اس کے سبب دنیا میں دنگا فساد چلتے آرہے ہیں۔ ہمیں اس رویے کو ترک کر کے

بچاؤ اور ترقی کے لئے تعاون کی راہ اختیار کرنی ہے جو گھاٹا کھانے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

یہ ہی "پیغام سندھ" ہے اس کے لئے ہم ہر ایک کو مشنری کے طور پر کام کرنا ہے اور اس مشن کی کامیابی کے لئے سندھ کی سیاسی' اقتصادی اور آزادی لازمی امر ہے۔ اس میں ہی پاکستان کی مضبوطی اور حفاظت کی ضمانت مضمر ہے۔

میرا یہ ایمان ہے کہ ایشیا اور افریقہ کے پسماندہ قوموں کی آزادی' اتحاد' امن اور ترقی کے لئے بھارت اور پاکستان کے درمیان باہمی سمجھوتے اور تعاون کی بے حد ضرورت ہے۔ ایشیا اور افریقہ کے اتحاد' امن اور ترقی میں امن عالم کا راز سمایا ہوا ہے۔

اس کام کی سرانجامی' اسلام کے چودہ سو برس کے مشن کا مقصد ہے۔

اس مشن کی شروعات ہمیں یہاں سے ہی کرنی ہے۔

غلام مرتضیٰ

سن میں آئینی اور ثقافتی کمیٹی کی میٹنگ میں
جناب جی ایم سید کی تقریر
(18 نومبر 1966ء)

گزشتہ پانچ ماہ میں مختلف مقامات پر منعقد کی گئی کانفرنسوں میں تقاریر کے ذریعے ہم نے بزم صوفیائے سندھ کی تحریک شروع کرنے کے لئے راہ ہموار کی ہے ابھی تعمیری کام کرنے پر غور کرنے کے لئے یہاں اکٹھے ہوئے ہیں۔

جیسے کہ اس تحریک کا خیال میں نے پیش کیا ہے۔ اور تمام رفیقوں نے مجھ پر اعتماد کر کے کانفرنسوں کو کامیاب کرنے کے لئے میری مدد کی ہے۔

ابھی جب ہم اس تحریک کو مستقل بنیادوں پر قائم کرنے اور غور کرنے کے لئے یہاں اکٹھے ہوئے ہیں میں آپ کو محرم راز بنا کر چند باتیں بتانا ضروری سمجھتا ہوں۔ جن کی وجہ سے میں نے یہ نیا راستہ اختیار کیا ہے۔

پہلی بات:۔ یہ ہے کہ اتنا سارا وقت سیاست میں رہنے کے بعد ابھی اس سے کنارہ کش کیوں ہو رہا ہوں۔

دوسری بات:۔ کہ بزم صوفیائے سندھ کو قائم کرنے کے لئے کونسے جواز تھے اور میرا اس سے مقصد کیا ہے۔

تیسرا کہ:۔ ان مقاصد کو سرانجام دینے کے لئے کونسا طریقہ کار اختیار کرنا چاہیئے۔

سیاست عملی سے کنارہ کشی کرنے کے اسباب

میں ابھی 15 برس کا ہی تھا کہ 1919ء سے میں نے ملکی سیاست میں دلچسپی لینا

شروع کی۔

میں نے خلافت تحریک، کانگریس، خاکسار، اتحاد پارٹی، مسلم لیگ، پیپلز پارٹی، اینٹی ون یونٹ فرنٹ اور نیشنل عوامی پارٹی میں کام کیا ہے اور اس سے مجھے خاصا تجربہ حاصل ہوا۔

گزشتہ نظربندی تک میں مسلسل چالیس برس سے ملکی سیاست میں حصہ لیتا رہا ہوں۔ گزشتہ تجربے، ملکی حالات کے تقاضہ اور قومی شیرازے کی کمزوریوں نے مجھے سیاست سے کنارہ کش ہونے پر مجبور کیا ہے۔

آؤ سیاست ملک کے مختلف پہلوؤں پر نظر کریں۔ سیاسی کارکن دو گروہوں میں تقسیم ہیں۔ کچھ سیاست عملی کی پالیسی پر چلتے تھے اور دوسرے نظریاتی بنیادوں پر عوام میں قومی شعور پیدا کر کے ملک میں بیداری پیدا کرنا چاہتے تھے۔

پہلے گروہ نے انتخابات کے ذریعے بلدیات اور اسمبلیوں میں داخل ہو کر اور عہدے حاصل کر کے اس کے ذریعے تعمیری کام کرنا چاہا تھا۔ اس گروہ کی حالانکہ کتنی ہی جماعتوں سے وابستگی رہتی ہے۔ لیکن ان کا مطمع نگاہ حصول اقتدار ہونے کے سبب اور تقاضائے حالات کے موجب پارٹیوں یا اصولوں کو تبدیل یا ترک کرنے کو عیب نہیں سمجھتے ہیں۔ اور انہوں نے ہر موقع سے فائدہ لینا دانش مندانہ کام سمجھا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اقتدار کمپرومائز یا لین دین کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتا ہے اور طاقت کے سوا اپنا ذاتی اور عوامی کام نہیں ہو سکتا ہے۔

دوسرا گروہ حال پر مستقبل کو ترجیح دیتا ہے۔ اور کمپرومائز کے ذریعے اقتدار حاصل کرنے کو عارضی اور ملکی مجموعی مفاد کے لئے نقصان دہ سمجھتا ہے۔ اسی لئے ان کی زیادہ توجہ کچھ اہم اصولوں کی بنیاد پر جماعت بنا کر عوام میں سیاسی بیداری پیدا کرنے اور خدمت خلق ہے۔

سندھ میں دونوں گروہوں کے حامی رہے ہیں لیکن میرے خیال میں دونوں ہی اپنے اپنے نقطہ نگاہ سے کامیاب نہ ہو پائے ہیں۔

پہلے گروہ نے شخصی اور گروہی اقتدار کے لئے مقابلے بازی کر کے نفاق پیدا کیا۔ جس کے سبب بدلیسیوں کو دست درازی کرنے کا موقع ملا۔ اور اس سلسلے میں ہم سے کیا ہوا یا نہیں ہوا اس کا ذکر طوالت کا باعث سمجھ کر یہاں نہیں کر رہا ہوں۔

صرف یہ ہی کہنا کافی ہو گا کہ اس کا نتیجہ آخر میں ون یونٹ کے قیام کی صورت میں نمودار ہوا۔

میں دوسرے گروہ سے وابستہ رہا ہوں - اور ہم نے عوام میں سندھی حقوق کی حفاظت اور کسانوں کو زمینیں دلانے کے مسائل' نیشنلزم' سوشلزم کی بنیاد پر عوام میں سیاسی شعور پیدا کر کے' بیداری پیدا کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ہم کو اس میں کتنے ہی اسباب کی وجہ سے ناکامی ہوئی ہے۔

سندھی عوام ابھی تک قبائلی سیاسی ماحول سے نکل نہیں پایا ہے اور طاقتور لوگوں کا ان پر اثر ہے۔ قوم کے مجموعی فائدے اور نقصان' اقتصادی اور سیاسی مسائل کی اہمیت سے واقف نہیں تھے۔ ان کے مسائل چوری کی واپسی' ذاتی جھگڑے و فساد کے فیصلے وغیرہ کرانے تک محدود تھا۔

ویسے بھی مسلم سیاست کی خاصے عرصے سے روح رواں مسلم نوکر شاہی ہی رہی ہے۔ نئے اصلاحات اور آزادی کے بعد حکومت کی باگ ڈور زمیندار' پیر' جاگیردار اور تاجر کے ہاتھ میں رہی ہے۔ ان میں سیاسی شعور' اصول پرستی اور قومی مفاد کا خیال تقریباً عدم موجود تھا۔ ان کی تمام پالیسی سیاست عمل کے سائے میں چلتی ہے۔

سندھ میں تو یہ حالت تھی کہ جب مرکزی حکومتوں نے کچھ اسباب کی وجہ سے ایک گروہ کو نکال کر دوسرے کو لایا تو اکثر ممبر "لوٹے" بن جاتے۔ اور اس معاملے میں ایک دوسرے پر سبقت لینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے۔ اس میں ان کو دوستی کا نہ اصولوں کا خیال رہتا تھا۔ یہ بس اس طرح تھے کہ "جس کی لاٹھی اس کی بھینس"

اس طبقے کی سندھ سے باہر بھی کم و بیش یہی حالت تھی۔ ان باتوں نے نوکر شاہی کو جو تعلیم یافتہ اور انتظامی معاملوں سے واقف ہے کو تنگ کیا تھا اور موقع فراہم کیا کہ حکومت کی باگ ڈور اپنے قبضے میں رکھیں۔ اور وہ پرانے سیاست دانوں کو خارج کر کے اپنے نئے پیدا شدہ حضرات کے ذریعے کام چلانے لگے۔ یہ کہنا درست نہ ہو گا کہ ان کی حکومت میں کچھ بنیادی خامیاں نہیں تھیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ ملک کی صنعتی ترقی اور زرعی اصلاحات ان کے دور اقتدار میں ہی آئے۔

اس وقت سیاسی کارکن دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں کچھ کنٹرولڈ ڈیموکریسی کو

ملک اور قوم کے لئے بہتر سمجھ کر اس کے ذریعے کام چلانا چاہتے ہیں۔

دوسرے پارلیمانی طرز حکومت کے ذریعے چلانا چاہتے ہیں۔

نظریاتی نقطہ نگاہ کے قطع نظر اگر ہم ملکی حقائق کے حوالے سے ان مسائل پر نظر کریں گے تو معلوم یہ ہو گا کہ پہلے زمیندار طبقے کی حکومت تھی اور ابھی بہترین منتظم لیکن عوامی حالات سے ناواقف نوکر شاہی کی ہے۔ ان دونوں میں زیادہ فرق نہیں ہے۔

ملکی سیاست نظریاتی طور پر بھی دو گروہوں میں تقسیم ہے ایک گروہ اس کو جذباتی نعروں اور مذہبی نام پر چلانا چاہتا ہے جن میں پاکستان مسلم لیگ، کونسل لیگ، جماعت اسلامی اور نظام اسلام جماعتیں شمار کی جا سکتی ہیں۔ ان میں اصولی اختلاف کم، طریقے کار کے اختلاف زیادہ ہیں۔

دوسرا گروہ اس کو قوم پرستی اور سوشلزم کی بنیاد پر چلانے کا حامی ہے۔ اس میں عوامی لیگ اور نیشنل عوامی پارٹی آ جاتی ہیں۔ پاکستان مسلم لیگ اقتدار میں ہونے کے سبب زیادہ لوگوں پر اثر پذیر ہے کیونکہ لوگوں کی اکثریت اقتدار کی پوجاری ہوتی ہے۔ بقایا پانچ پارٹیاں مخالفت میں ہیں۔ جو تمام نظریاتی اور عملی نقطہ نگاہ سے متحدہ محاذ اور پروگرام پر متفق ہونے کی اہل نہیں ہے۔ ان میں اتفاق ہونا ممکن نظر نہیں آتا ہے۔ حقیقت میں پہلے گروہ کی تین پارٹیاں پاکستان مسلم لیگ کو زیادہ نزدیک ہیں بہ نسبت دوسرے گروہ کی دو پارٹیوں سے۔

ان مخالف پانچ پارٹیوں میں سے تین گزشتہ دور اقتدار میں رہ چکی ہیں۔ ان کا دورہ حکومت خاصی بدتوں کا باعث رہا ہے۔ ہمارے لئے ان کا وجود باعث زحمت تھا۔ کراچی کو الگ کرنے، ون یونٹ بنانے اور کتنے ہی دوسرے نقصان وہ کام ان کے دور حکومت کے یادگار ہیں۔ باقی دو پارٹیاں اقتدار سے باہر رہی ہیں۔ ایک جماعت اسلامی اور دوسری نیشنل عوامی پارٹی، نیشنل عوامی پارٹی کو اصولی طور پر ترقی پسند جماعت شمار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جس قدر اس کی عملی کارگزاری کا تعلق ہے باوجود بڑے دعوؤں کے ہماری مشکلات دور کرنے میں نااہل ثابت ہوئی ہے۔ اس کے پنجاب کے ممبر کسی بھی حالت میں ان کے صوبے کی عام رائے سے مرعوب ہو کر چھوٹے صوبوں کی خودمختاری کے لئے کھلا اظہار کرنے سے قاصر ہیں۔ ہم بنگالی اراکین کو بھی آزما

چکے ہیں۔ وہ اپنے صوبائی مفاد کی خاطر ہمیں ہر وقت قربان کرنے کے لئے تیار تھے۔

نیشنل عوامی پارٹی بنانے میں میرا بھی خاصہ عمل دخل رہا ہے اور جس قدر میں اس کے اندرونی کاروبار سے واقف ہوں اس سے اور کم ہی ہوں گے۔ اس لئے صرف اس وقت نہیں بلکہ مارشل لاء نافذ ہونے سے پہلے میں اور میرے کچھ اہم ساتھی اس سے بیزار ہو چکے تھے۔ اس کے سبب ہی ہم نے تمام گروہوں کا متحدہ محاذ بنایا تھا۔

میں غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ آئینی طریقوں سے ہم چھوٹے صوبوں والے اپنے حقوق اقلیت میں ہونے کے سبب بڑے صوبوں کی مذکور شدہ پالیسی کی وجہ سے حاصل نہیں کر سکتے۔ غیر آئینی طریقوں سے کم از کم یہ چیز پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتی۔ عوام خواب غفلت میں سوئی ہوئی ہے۔ جلد ان کے بیدار ہونے کا کوئی امکان نظر نہیں آ رہا ہے۔ ہمارا صاحب حیثیت طبقہ ذاتی مفاد کے لئے ہر برا کام کرنے کے لئے تیار ہے۔ ان حالات کے تحت سیاست عمل کے رہنما جیسا کرنا چاہتے ہیں وہی کر گزرتے ہیں۔ ہم نظریاتی بنیاد پر سیاسی کام کرنے والوں کا دائرہ سیاست مسدود ہو چکا ہے۔ اس لئے یا تو ہمیں خاموشی سے باقی زندگی اپنے علمی، ادبی اور شخصی کاموں میں گزارنی ہے یا نیا طریقہ کار سوچ کر اپنی قوتوں کو اس کی سرانجامی کے لئے صرف کرنی چاہیے۔ ہم نا تو عہدوں کے طلب گار ہیں اور نا ہی اقتدار کے۔

مذکور شدہ حالات کے تحت اپنے سیاسی حقوق کا حاصل کرنا ہماری طاقت سے باہر ہے۔ اسی لئے میں غور و فکر کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہم جب تک اپنی سوسائٹی سے مندرجہ ذیل خامیاں دور نہیں کر پاتے اس وقت تک ہماری ہر سیاسی کوشش بے جا ہے۔ وہ خامیاں جو میں نے گزشتہ خطبوں میں بتائی تھیں۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

1- مفاد پرستی
2- قومی شعور کی عدم موجودگی
3- نفاق اور نفرت کا وجود
4- بے ہمتی اور بزدلی

گزشتہ خطبوں میں، میں نے نفاق اور نفرت کے تین اہم اسباب اور اس کے

نقائص پر روشنی ڈالی تھی اور ٹھٹہ میں ان امراض کے علاج تلاش کرنے کے لئے ایک تجویز پیش کی تھی۔ میں نے کہا تھا کہ ہمیں "سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی" کے نمونے پر ایک مخلص کارکنوں کا گروہ پیدا کر کے کام کرنا چاہیئے۔ اور وہ قومی اتحاد' نفسیاتی اصلاح' اخلاقی درستگی' حب الوطنی اور خود شناسائی کی تعلیم و تربیت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دیں۔ اس کے لئے "بزم صوفیائے سندھ" کے نام پر ایک پلیٹ فارم تیار کرنے کی میں نے تجویز دی تھی۔ جس میں مختلف مذہبی' سیاسی اور اقتصادی نظریات' سیاسی گروہ بندیوں اور طبقاتی مفاد کے لوگوں کو اپنے خیال اور رائے پر قائم رہتے ہوئے سندھ کے کلچر اور قومی مفاد کے لئے وقت بہ وقت صلاح و مشورہ اور تبادلہ خیال کرنا چاہیئے۔ ظاہر بیں دیکھنے میں یہ آ رہا ہے کہ ہم میں یہ باہمی تعاون پیدا ہونا مشکل مسئلہ ہے۔ ہمیں حالانکہ تجربہ ہے کہ باوجود اختلافات کے وکیل' کھلاڑی اور کشتی باز آپس میں ملتے جلتے اور اکٹھے کھاتے پیتے رہتے ہیں۔ اور ایک دوسرے سے صلاح و مشورہ کرتے رہتے ہیں۔ اگر ہم بین الاقوامی سطح پر اس کی مثال تلاش کریں تو مل پائے گی۔ اقوام متحدہ میں اندر یا باہر روس اور امریکہ ایک دوسرے کے سخت نظریاتی اختلافات رکھتے ہوئے بھی ملنے اور بات چیت کرنے کو عیب نہیں سمجھتے ہیں۔ انہوں نے رواداری کا اصول قبول کر لیا ہے جس کو وہ (Co-exist ance) بقائے باہمی کہتے ہیں۔

ملک سے نفاق دور کرنے کے لئے ہمیں باہمی مشورے سے درویشان سندھ کا پیغام لوگوں تک پہنچانا ہے ممکن ہے کہ باہمی اختلافات کے سبب لوگوں پر ہماری آواز جلد اثر پذیر نہ ہو لیکن ہم اپنی آواز بلند کرتے رہیں گے۔ کبھی نہ کبھی تو نتیجہ ظاہر ہو گا۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

"دست از طلب ندارم' تاکام من برآید
یا جان رسد بجانان' یا جان من برآید"

کام کی سرانجامی تک ہم خاموش نہیں بیٹھیں گے یا مقصد حاصل کریں گے یا اس راہ میں مر دے کر سرخرو ہوں گے۔

سیاست دانوں کو چھوڑ کر' ہم اگر ادیبوں اور قومی کارکنوں پر نظر کریں گے تو ہمیں دو خیالوں کے گروہ کام کرتے نظر آئیں گے۔

ایک گروہ وہ ہے جو مذہب کی غلط تشریح اور اس کے غلط استعمال کی وجہ سے' سندھی مفاد کو نقصان پہنچانے کے رد عمل کے طور پر یا نظریاتی اختلافات کے سبب مذہب کا نام لینے سے کتراتا ہے۔ اسی لئے گفتگو وغیرہ میں ایسا رویہ اختیار کرتا ہے جس سے مذہبی خیال کے کارکنوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے۔

دوسرا گروہ وہ ہے جو مذہبی طور پر مفلوج ہو چکا ہے ان پر مذہب اتنا اثر پذیر ہے کہ وہ ہر بات جو مذہب کے نام پر کی جاتی ہے وہ اس کو آنکھیں بند کر کے قبول کر کے اس کی پیروکاری کرنے کیلئے تیار ہے۔ وہ کیوں نا سندھ کی قدیم مذہبی روایات کے خلاف ہو۔

دنیا میں اختلاف رائے رہتا آیا ہے اور شاید ہمیشہ رہے۔ اس کا نقصان دور کرنے کیلئے ہمیں " لکم دین کم ولی دین" کا سبق پہلے ہی ملا ہوا ہے۔ ہمارے سندھی درویشوں نے ان حالات کے مد نظر' رواداری کی تعلیم دی ہے۔ شاہ صاحب نے "صوفی" کو "لاکونی" کہا ہے جو غیر جانبدار کے ہم معنی ہے۔

ہمارے کارکنوں کو ایک دوسرے کا احترام کرنا ہے۔ اظہار خیال کی آزادی ہمارا اہم اصول ہونا چاہئے۔

جس طرح بڑے مذاہب باوجود ان کی دعوؤں کے' تمام دنیا کی نجات صرف ان کی تعلیم کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتی ہے' کے باوجود تمام انسانوں کو اپنی رائے سے متفق کر نہ پائے ہیں۔ اس طرح نئے نظریے دھریت کے حامی بھی تمام دنیا کو ہم رائے نہ کر پائے ہیں۔

ہمیں باہمی برداشت کا مادہ پیدا کرنا ہے اور ملکی مفاد اور ترقی کے لئے کام کرنے کے لئے کارکنوں کو تیار کرنا ہے۔

ہماری سیاست میں ناکامی کی وجہ بھی مذکورہ شدہ قومی نقائص ہیں جب تک ہم خود کو ان نقائص سے پاک صاف نہیں کرتے ہیں' اس وقت تک ہم سیاسی' اقتصادی' کلچرل اور ذہنی آزادی یا ترقی حاصل کر نہ پائیں گے۔

جمہوریت اور سوشلزم کا ہر کوئی نام لیوا ہے لیکن اس کے حصول اور کامیابی کے لئے پہلے مہذب بننا لازمی امر ہے۔ کلچر یا ثقافت لوگوں کو مہذب بنانے کا ذریعہ ہے۔ ہمیں اس کا مشنری ہو کر کام کرنا ہے۔ علاوہ ازیں آزادی اس کے سوا بربادی کی باعث ہو سکتی ہے۔

افریقہ اور ایشیاء میں آزاد ہوئے ممالک میں جو ہو رہا ہے آپ اس سے باخبر ہیں۔ اس کے لئے سامراجیوں، کمیونسٹوں اور مذہبی جنونیوں کو جواب دہ قرار دینا آسان بات ہے۔ لیکن خود کو اپنے من میں دیکھ کر اپنے عیب اور خامیاں دیکھنی چاہئیں جو ایسے حالات پیدا کرنے کے لئے بدیسیوں کو موقع فراہم کرتی ہیں۔ ان کو معلوم کرنا دشوار کام ہے۔

قومی جسم درست کرنے کے سوا ہر چیز جو نعمت عظمیٰ بھی ہو۔ آپ کو فائدہ نہیں دے سکتی۔

میں پہلے ہی ذکر کر چکا ہوں کہ کچھ سیاست دان یا اہل علم، یہ قومی امراض اور کمزوریاں، طاقت اور حکومت کے ذریعے درست کرنے کے قائل ہیں۔ میں بھی ایک وقت اس غلط فہمی میں مبتلا تھا۔ تجربہ کے بعد معلوم ہوا کہ:-

سبئي سيله، ٿيام، پڙهيام جي پاڙان،
واڳون ٿي وريام، اکر اڳيان آيري!
(شاهه)

وہی دشمن ہوئے جو الفاظ میں نے پڑھے تھے۔ ہر لفظ نے مگرمچھ کی طرح میرا گھیرا کیا۔ طاقت اور حکومت کا راستہ، نفاق کے کانٹوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس کے ذریعے اتحاد، امن اور ترقی حاصل کرنا مجھے مشکل نظر آرہا ہے۔ ابھی ہمیں تالیف قلوب (اندر کو صاف کرنا) کے ذریعے صحیح تعلیم، اصلاح نفس، اخلاقی درستگی، حب الوطنی اور امن کا کام کرنا ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ کام زندگی وقف کرنے اور دولت اور وقت کی قربانی کے سوا سرانجام نہیں ہوپائے گا۔

عشق نہ آهي راند، جو کيڏنس ڪهڙو،
سسي نيزي هانئين، اُڇل تہ اڌ ٿئي!

عشق وہ کھیل نہیں ہے جو گھبرو کھیلیں، سر کو نیزے پر پھینکو تو دو حصے ہو جائے۔

اس طریقے سے ہم نہ صرف سندھیوں کی ذہنی، سیاسی اور اخلاقی درستگی کر پائیں گے، بلکہ ان کو بنی نوع کی خدمت کے قابل بنائیں گے۔

ہم کسی کے بھی مخالف نہیں ہیں۔ ہمارے اتحادی امن، ترقی اور بنی نوع کے اصول رہبر ہوں گے۔ ہماری تحریک صوبائی تعصب، مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے یا ملک میں انتشار پیدا کرنے والی نہیں ہے۔ ہم پاکستان کے وفادار شہری کی حیثیت سے رہنا

چاہتے ہیں۔ اس کی حفاظت' ترقی' خوشحالی ہمارے مقاصد میں شامل ہے لیکن اس کے حصول کے لئے طریقہ کار کی اجارہ داری کو ملک کے لئے مفید نہیں سمجھتے ہیں۔ ایک ہی منزل پر پہنچنے کے لئے مختلف راستے ہو سکتے ہیں۔

"واٽون ويھ ٿيون، ڪه ڄاڻان، ڪيڏي ويا."
(شاه)

راستے بیسیوں ہوئے نہ جانے کس طرف گئے۔

ہمارے طریقہ کار کے اہم اصول مندرجہ ذیل ہونے چاہئیں۔

1- ملکی سیاست کے خلفشاروں سے دور رہنا چاہئے۔
2- "پیغام سندھ" کو جس کا ذکر آج کے خطبے میں کر چکا ہوں۔ راسخ العلم اور مخلص کارکنوں کے ذریعے' بغیر کسی نام و نمود کے عوام تک پہنچانا ہے۔
3- مخلص اور زندگی وقف کرنے والے کارکنوں کو تربیت دے کر سندھ کے گوشے گوشے میں تحریک کا پیغام پہنچانا ہے۔
4- رسالے' کتب' باہمی تعلقات اور ملاقاتیں' کانفرنسوں اور مراکز میں وقت بہ وقت بیٹھ کر تبادلہ خیالات اور تجاویز پر غور و فکر کرنے ہماری پیغام رسانی کے اہم ذریعے ہونے چاہئیں۔
5- راگ و سرود ناٹک اور کھیلوں کو ترقی دلا کر آلہ کار بنایا جائے گا۔
6- صحیح تعلیم کے ذریعے نفس کی اطلاح اور اخلاقی درستگی کرنا ہمارے اہم مقاصد ہوں گے۔
7- حب الوطنی اور ہم وطنوں کی محبت ہمارے ایمان کا جزو رہیں گے۔ اس چند معروضات سے آپ کو تحریک کے نام' آئین' پروگرام اور طریقہ کار پر غور کر کے رہبری کرنے کے لئے گزارش کر رہا ہوں۔

غلام مرتضیٰ

ساتویں سندھ ثقافتی کانفرنس "بلڑی"
منعقدہ درگاہ شاہ عبدالکریمؒ
افتتاحی خطبہ جناب جی ایم سید

(16 فروری 1966ء)

نوٹ :- یہ افتتاحی خطبہ حکومت کی طرف سے دفعہ 144 نافذ ہونے کے سبب بلڑی شاہ کے عرس کی بجائے تاریخ 8 مئی 1967ء کو ناگوں کے میلے پر "نبی سر" میں پیر کے دن شام 9 بجے پڑھا گیا۔

عزیز بھائیو!

بزم صوفیائے سندھ کی یہ ساتویں کانفرنس ہے جو حضرات گزشتہ مجالس میں حاضر تھے یا جن حضرات نے اس کی کارروائی کتابوں یا اخباروں میں پڑھی ہو گی وہ اس بات سے باخبر ہوں گے کہ ان مجالس کے منعقد کرنے کا مقصد لوگوں کی نفسی اصلاح' اخلاقی درستگی اور صحیح تعلیم ہے۔ شاہ لطیف نے فرمایا ہے:۔

وبهڻ ويجن وٽ، جي سکين تہ سکهو ٿئين!
اڳئين عادت مٽ، تہ اکها عاجز نہ ٿئين۔

اگر تم حکیموں کی مجلس میں بیٹھنا سیکھو گے تو ہی تناور اور بہتر ہو گے۔ پہلے کی عادتیں ختم کرو تو اے ناتواں کبھی بھی عاجز نہیں ہو گے۔

اس کے مطابق ہم عوام کو مشورہ دیں گے کہ ▪ ایسی مجالس میں شریک ہو کر

کچھ سنیں اور سمجھیں اور جو باتیں ان کو بتائیں جائیں ان پر عمل کریں۔ قومی کارکنوں اہل دل اور محب وطن گردہ کو گزارش کروں گا کہ حکیم کی طرح قومی امراض کی شناخت اور اس کے پیدا ہونے والے اسباب کو تلاش کر کے اس کو رفع دفع کرنے کے علاج کو ڈھونڈیں۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ہمارا قومی وجود مہلک بیماری میں گرفتار ہے۔ اگر ہم نے اس بیماری کا جلد علاج نہ کیا تو قوی امکان ہے کہ ہماری قوم صفحہ ہستی سے مٹ جائے گی۔

اس کے اسباب :-

1- مفاد پرستی۔

2- جہالت (قومی شعور کی عدم موجودگی)

3- نفرت اور نفاق۔

4- بزدلی اور بے ہمتی۔

میں نے میرپور بٹھورو' بھٹ شاہ اور ڈھڑو کی مجالس میں قوم میں نفرت اور نفاق کی موجودگی کے اسباب بیان کر کے ان کو دور کرنے کے لئے کچھ تجاویز پیش کی تھیں۔

آج میں سندھیوں کی چوتھی بیماری بزدلی اور بے ہمتی کا ذکر کروں گا۔

میں اس بات سے باخبر ہوں کہ کتنے ہی باغیرت دوست' سندھیوں میں بزدلی اور بے ہمتی کے امراض کی موجودگی سے انکار کریں۔ یہ اس لئے نہیں کہ انہیں ان کمزوریوں کی خبر نہیں ہے لیکن ان کی رائے ہے:-

"اگر ڈوبنے والے کو کہا جائے گا کہ تم ڈوب رہے ہو تو وہ ہمت ہار بیٹھے گا"۔ اسی لئے اس کو نفسیاتی طور پر ہمت بندھانے کے لئے یہ کہنا ضروری ہے کہ ہمت کر کے تیرو تو پار پہنچ جاؤ گے۔ اس قسم کی گفتگو سے اس کو خاصہ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

میری نظر میں یہ بھی علاج کا ایک طریقہ ہے اور اس میں دانش مندی اور صداقت سمائی ہوئی ہے لیکن بعض حالات میں صرف نفسیاتی علاج کارگر نہیں ثابت ہوتے ہیں۔ جسم کے زخم کو کچھ حالات میں کاٹ کر اس سے گند صاف کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تکلیف اور بدبو نکلنے کے خوف سے زخم کو چھوڑ دینا یا چھپائے رکھنا فائدے کی بجائے نقصان دہ ہوتا ہے۔

سندھیوں کی کثرت تعداد میں بزدلی، بے ہمتی اور بے غیرتی کی موجودگی کا احساس، کافی عرصے سے ہمارے بزرگوں اور درویشوں کو بھی نظر آ رہا تھا۔ شاہ لطیف فرماتے ہیں:۔

کھڑا وار یون تڙ تي، گھڻيئي گھڙن،
گھڻين سانگو ساھ جو، ڪي "کھوريس" چيو گھڙن!

دریا پر نہانے کے لئے کتنی ہی کھڑی ہیں۔ لیکن کچھ کو جان کا زیادہ خیال ہے اور کچھ "قربان ہو جاؤں" کہہ کر کود پڑتی ہیں۔

اور کتنوں کی بے ہمتی دیکھ کر فرماتے ہیں:۔

سڌائتي سيڪا، ٻڪ نہ باسي ڪا،
جيھي تيھي ذات تي، جنبش ڪانھي جاءِ،
مون سين ھلي سا، جا جيءَ سنو نہ ڪري!

خواہش مند ہر ایک ہے لیکن دکھ جھیلنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہے۔ یہ بات ہر کسی کے بس کی نہیں ہے۔ میرے ساتھ وہ چلے جس کو اپنی جان عزیز نہیں ہے۔

ایک مقام پر بے غیرتی کے عام رجحان کو نکالنے کے لئے فرماتے ہیں۔

ايءَ نہ مارن ريت، جو سيڻ مٽن سون تي!

یہ میرے ہم وطنوں کی ریت نہیں ہے کہ وہ "سونے پر اپنے تعلقات ختم کر دیں۔

ایسے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس بات سے باخبر تھے کہ بہادری اور قربانی دے کر، محبت کے میدان میں چلنا ایسے ویسے کا کام نہیں یہاں صرف "جن کی جان دو نیم ہے" وہ ہی چل سکتے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے "مسی" کی بہادری کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

مر مٿو ڏيئي، پنھونءَ ڪارڻ جبل ۾،
تہ سرتيون سيئي، سارا ھنئي ويٺيون!

پنوں کی خاطر پہاڑ کے اندر مرجاؤ تو تمہاری سہیلیاں تمہارے گیت گائیں۔

تہ ڪر ڪيڻ مٺي، جي سير نہ گھڙي سھڻي،
ھتي حياتيءَ ڏينھڙا، ھڏھين تان نہ ھئي،
چڪي تنھن چري ڪٺي، جا ڏنس آن ڏھي،
سھڻيءَ ڪي "سيڌ" جٺي، وڌو قرب ڪھي،
ھونھين ھوند مٺي، ھر ٻڏيءَ جا ھنڌا ٿيا!

سوہنی اگر منجدھار میں نہ جاتی! اس کا نام کیسے مشہور ہوتا۔ یہاں تو وہ صرف چار دن ہی گزارتی' اس کو مہنوال نے جو جام محبت پلایا تھا اس نے اس کو مست کر دیا مرنا تو اسے ویسے بھی تھا لیکن ڈوب کر فنا ہو جانے سے وہ امر ہو گئی۔

اس وقت ہماری حالت پہلے سے بھی خاصی بدتر ہے لوگوں پر نہ ہی شاہ صاحب کی تلقین نے اثر کیا ہے اور نہ ہی سچل سرمست کی مجزوبی صداؤں نے کوئی تبدیلی لائی ہے۔

عام لوگوں کی اکثریت زمیندار' پیر' پولیس' ڈاکو' جن و بھوت اور بھوک اور بیروزگاری کے خوف سے مرعوب ہو کر بزدل ہے۔ بڑے لوگوں کی اکثریت لالچ' جھوٹی عزت کے بچاؤ اور باہمی حسد اور نفاق کے خیال سے ہمیشہ خوف میں رہ کر کمزور اور بے ہمت بن گئی ہے۔

ہماری بزم صوفیائے سندھ کو قومی امراض کے اسباب تلاش کر کے اس سے لوگوں کی نجات کا حل تلاش کرنا ہے۔ جس قدر میری عقل اور فہم فکر کر پائی ہے تو مجھے سندھیوں کی بزدلی اور بے ہمتی کے اہم اسباب مندرجہ ذیل نظر آئے ہیں۔

1- مذاہب کی غلط تشریح کا اثر۔

2- جاگیردارانہ نظام۔

3- کاشت کاری کیلئے لوگوں کا دور دور رہنا۔

4- جغرافیائی حالات اور غیر معتدل ملکی آب و ہوا۔

یہ بہتر ہو گا کہ مذکور شدہ باتوں کا اثر کس طرح سندھیوں میں کمزوری اور بزدلی پیدا کرتا ہے اس کی وضاحت کروں۔

1- مذاہب کی غلط تشریح اور تعلیم کا اثر

سندھ وطن میں گزشتہ چار ہزار برس سے مندرجہ ذیل چار اہم مذاہب کا مختلف وقتوں پر اثر رہا ہے۔

1- ہندو دھرم

2- جین دھرم

3- بدھ دھرم

4- اسلام

گزشتہ خطبوں میں، میں بتا چکا ہوں کہ صوفیوں کے ایک گروہ کو کثرت مذاہب کے پیچھے بنیادی وحدت نظر آئی تھی۔ انہوں نے تمام مذاہب کے بنیادی مقاصد اتحاد بنی نوع، امن عالم، ترقی بنی آدم سمجھے تھے اور ان کی شریعتوں کے اختلاف کا سبب معاشرے، حالات اور ملکی تقاضوں کی تبدیلی میں سمجھا تھا۔

اب مذکورہ شدہ مذاہب کی غلط تعلیم کا لوگوں پر اثر کا تجسس کریں گے۔

1- ہندو دھرم کا اثر

اس دھرم کا جس فرقے پر سب سے زیادہ سندھ میں اثر ہوا ہے وہ "شِو" کا مت" ہے۔ جس کا اہم مرکز سیوہن تھا۔ اس شہر کا اصل نام "شیووہن" یا شیوآستان" یہ تبدیل ہو کر "سوستان" یا سیوہن ہوا یہ "جلالی مت" تھا۔ اس کے پیروکاروں کو قدرت کی ہر شے میں خدائی جلال کا ظہور نظر آیا تھا۔ جس کے زیر اثر اس کے پجاری، محو حیرت بن کر ہوش سے بے ہوش ہو کر جوش جنوں میں آکر رقص کرنے کے بعد وجد میں آجاتے تھے۔ یہ حال صرف چند مخصوص حضرات کا تھا۔ باقی عام لوگ اسی "مت" کے ظاہری نشانوں کے چکر میں گمراہ ہو کر اس کی پوجا کرنے لگے۔ اس "مت" کے اہم نشان "لنگم" اور "ترسول" تھے۔ "لنگم" عضو تناسل کا نشان ہے جس کو ہر جاندار شے کی پیدائش کا سبب سمجھا جاتا تھا۔ "ترسول" یا "سواستیکا" ایک نیزے کا نشان تھا جس کو ہر چیز پہ قبضہ کرنے کا سبب سمجھتے تھے۔

ہم اگر ان دونوں نشانوں کی فلسفیانہ معنیٰ چھوڑ کر سادہ زبان میں تشریح کریں گے تو اس سے ہر طاقت ور شے کے آگے جھکنے کی تربیت ملتی ہے۔ یہ پہلی تربیت تھی جس نے اہل سندھ کو بزدل اور کمزور بنانے کی گھٹی پلائی۔ ابھی تک سندھ میں مثال مشہور ہے کہ:-

سنڌ سنئين، وڻ ڏنگا، ماڻھو منجھس خام،
جيڪو ڪٺي موچڙو، آن جو ڪن سلام.

سندھ سیدھی، درخت ٹیڑھے، اس میں خام لوگ جو ڈنڈا اٹھاتا ہے۔ اس کو ہی سلام کرتے ہیں۔

2- جین دھرم کا اثر

یہ دھرم "شسومت" کا رد عمل تھا۔ پہلے دھرم نے ہر شے پر طاقت اور قوت کو حاوی قرار دے کر ہنسا یا تشدد (جبر) کو فطرت کا اہم جزو سمجھ کر اس کے سامنے مطیع ہونا ضروری سمجھا تھا۔

جین دھرم نے طاقت کو فانی سمجھ کر آہنسا یا عدم تشدد کو پائیدار سمجھ کر اس کے ذریعے دنیاوی مسائل کو حل کرنا زیادہ مفید سمجھا تھا۔

اس دھرم کے پیروکاروں نے نہ صرف طاقت بلکہ دنیا کی ہر مادی شہ کو فانی اور بے ثبات سمجھ کر لوگوں کو بیراگ یا ترک کرنے کی تلقین کی تھی۔ یہ فرقہ مغربی ممالک کے انسیٹکس (راہبوں) کی طرح اس دنیا کو عارضی اور فانی سمجھ کر دائمی اور بقا وار دنیا کی اشیاء کو حاصل کرنے کے قائل تھے۔ لیکن ہر تعلیم جب اعتدال سے گزر کر انتہا پر پہنچتی ہے تو وہ اپنے اصل مقاصد کو کھو بیٹھتی ہے۔

یہی حالت اس دھرم کے پیروکاروں کی ہوئی اس کے زیر اثر اس کے پیروکار دنیاوی کاروبار میں دلچسپی نہ لینے کے سبب زندگی کے مشکل مسائل کو حل کرنے کا مادہ کھو بیٹھے ہیں۔ نتیجتہ" ان میں سستی اور کاہلی گھر کر گئی۔ جو کمزوری اور بزدلی کا باعث بنتی ہے۔

یہ "مت" حالانکہ طاقت اور تشدد کے اثرات ختم کرنے کے لئے ایجاد کیا گیا تھا۔ لیکن اس کی انتہا پسندی اور غلط استعمال نے لوگوں کو کمزور اور بزدل بنا دیا۔ زمانے بیت چکے ہیں۔ نہ اس کے پجاری "ناگے" رہے ہیں۔ نہ ہی "کن پٹ کا پڑی" بچے ہوئے ہیں۔ لیکن اس کی تعلیم کا اثر ابھی تک لوگوں پر ہے۔ اس "مت" کے حقیقی پہلوؤں' آہنسا اور قربانی سے ہماری توجہ ہٹ کر صرف دھرم کی ظاہری بیراگ والی زندگی کی طرف متوجہ ہو گئی ہے۔

شاہ لطیف بھٹائیؒ کے دو "سروں" "رام کلی" اور "کھاہوڑی" کو ابھی تک لوگ پڑھتے ہیں اور ان میں اس دنیا کی بے ثباتی کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اور ان کو بیراگ لے جا کر کسی ان دیکھے راستے اور ملک کے پوچھنے کے لئے راغب کرتا ہے۔ اس حالت کو جدید فلسفیانہ زبان میں "قنوطیت" (پسممزم) کہا جاتا ہے۔

یہ ایک قسم کا افیم ہے جو لوگوں کو دنیا کے مسائل کو منہ دینے سے روک کر غنودگی پیدا کر کے ترقی کی راہ پر چلنے سے قاصر کر دیتا ہے۔ جس کا نتیجہ بزدلی کے

اثرات میں ظاہر ہوتا ہے۔

شاہ صاحب کی تعلیم سے ایسا معنی نکالنا شاہ صاحب کے حقیقی مقاصد کے خلاف ہے اور عام صوفیاء کی ایسی تشریح سے متاثر ہو کر علامہ اقبال جیسے عالموں نے لوگوں میں ہمت اور جدوجہد کا مادہ پیدا کرنے کے لئے "خودی" کی تعلیم دی۔ جس کی ابتداء کلیت (سنہسزم) سے ہوئی اور انتہا فسطائیت (فاشزم) کی صورت میں نمودار ہوئی۔ یہ دونوں باتیں اعتدال سے باہر تھیں۔ جس کو قرآن شریف نے صراط المستقیم کے نام سے پکارا ہے۔

اس کے بعد سندھ میں بدھ دھرم کا دور شروع ہوا۔

3- بدھ دھرم کا اثر

یہ دھرم' ہندو دھرم کی پیدا اونچ نیچ کے فرق کو مٹا کر لوگوں میں مساوات کا سبق سکھانے کے مقصد سے آیا تھا۔ اس نے مسائل زندگی کو حل کرنے کے اصلاح نفس اور اخلاق حمیدہ کی بنیاد پر نجات بنی نوع حاصل کرنا چاہی تھی۔ لیکن اس کے ظاہر بین پجاریوں اور گزشتہ مذاہب کے پیدا شدہ اثرات اور روایات نے کی حقیقی تعلیم کو مسخ کر کے خواہشات اور تمناؤں کو ختم کرنے کا ذریعہ بنایا۔ جس کے نتیجے میں لوگوں سے ہمت اور مستعدی (انٹرپرائز) کا مادہ ختم ہونے لگا۔

بدھ دھرم حالانکہ اس وقت سندھ میں رائج نہیں ہے لیکن ابھی تک اس کے اثرات لوگوں پر حاوی ہیں اور سندھی لوگ مشکلات کا سامنا کرنے سے اس کے سبب کتراتے ہیں جس کا نتیجہ بھی سستی اور کاہلی اور بے ہمتی کی صورت میں نکلتا ہے۔

اس کے بعد اس سرزمین پر اسلام نے پاؤں رکھا۔

4- اسلام کا اثر

یہ مذہب عالم کثرت میں پیغام وحدت پھیلانے' لوگوں میں پیدا شدہ ذات پات کو چھوٹے بڑے کا فرق مٹانے' مساوات اور جمہوریت کا سبق سکھانے' تنازع للبقاء کے پیدا کئے ہوئے فتنے اور فساد کو ختم کر کے تعاون برائے ترقی کے لئے امن اور سلامتی کی تربیت دینے آیا تھا اور کثرت مذاہب کے پیچھے بنیادی راز سمجھانے آیا تھا۔

اس کا پیغمبر جو رحمت اللعالمین بن کر آئے تھے وہ جور زمانہ کے سبب کیا سے کیا ہو گئے ہیں۔ پیغمبر اسلام کی زندگی کے دو مشن تھے۔

1- باطنی

جس کا واسطہ کائنات کے اسراروں کو پرکھنے' حیات بعد الممات' لوگوں کی صحیح تعلیم اور تربیت ، اصلاح نفس اور اخلاقی درستگی سے تھا۔

2- ظاہری

جس کا واسطہ روز مرہ کے دنیاوی معاملات اور کاروبار حکومت سے تھا۔

پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ کی وفات کے بعد مذکورہ شدہ دونوں "مشنوں" کے کام رفتہ رفتہ تقسیم ہونے لگے۔ نتیجتہ" انؐ کے پیروکاروں میں کچھ اصولی اور زیادہ تر فروعی مسائل پر خانہ جنگی پیدا ہو گئی۔ جس کی انتہا یہ ہوئی کہ حضورؐ کے نواسے حضرت امام حسینؓ نے اپنے عزیز و اقارب سمیت' مسلمانوں کے ہاتھوں جام شہادت پیا۔ حکومت کی باگ ڈور بنی امیہ خاندان کے حکمران یزید کے ہاتھوں میں آگئی اور روحانی رموز اور اسلامی اصولوں کی باتیں سوائے چند افراد کے تمام سے بھول گئیں۔

یزید کے خاندان سے ولید بن عبدالملک کے دور میں بنی امیہ سامراج کو بڑھانے کے لئے مغرب کی طرف افریقہ اور یورپ' مشرق کی طرف سندھ اور شمال کی طرف ثمرقند اور بخارا کی طرف فوج کشی کر کے فتوحات شروع کی گئیں۔ ان جنگوں کے مقاصد کی بابت تاریخ اور مذاہب کے عالم دو خیالوں میں تقسیم ہیں۔

کچھ کی رائے ہے کہ حکومت اور دنیاوی معاملات روح اسلام سے الگ تھے۔ اسی لئے مسلمان حکمرانوں کی طرف سے جو فتوحات' جنگیں' خون خرابے' لوٹ کھسوٹ' اور لوگوں کو غلام بنانے کے جو کام سرزد ہوئے اس کا مذہب اسلام سے کوئی بھی تعلق نہیں تھا۔ اسلام ابتداء میں مذکور شدہ بین الاقوامی اصولوں کا حامل ہونے کے سبب صرف تالیف قلوب اور اصلاح نفس کے لئے ہی دنیا میں پھیلنا تھا۔ جو کام ولیوں اور درویشوں سے سرانجام ہوتا تھا۔

دوسرے گروہ کا کہنا تھا کہ حکومت اور دین علیحدہ نہیں ہیں۔ حکمران کو اسلام کا

علمبردار ہی رہنا ہے۔ اور اسلام ایک جداگانہ عقائد' دستور' قانون اور عبادت پر مشتمل ایک دین منظم بن چکا تھا اور بنی نوع کی نجات صرف اس سے ہی ہونی تھی۔ ایسے دین کو تلوار کے زور پر تمام دنیا میں پھیلانا ہے۔ مذکورشدہ حکمرانوں کی جنگوں کو جہاد اور اس طرح کی' کی گئی کارروائیوں کو جائز کام سمجھا تھا۔

بنی امیہ کے گروہ سے ایک مشہور ظالم اور خونخوار سپہ سالار حجاج بن یوسف ثقفی کے داماد محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا اور وہی کام کئے جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ پہلے آنے والے مذاہب کی غلط پیروی کے سبب سندھیوں پر کون سے اثرات' اثر انداز تھے اور نیا مذہب کس طرح سے رائج ہوا۔ اس کے لئے تاریخ شاہد ہے سندھ میں دو تین مقامات کے سوا کہیں بھی خاصی مخالفت نہیں ہوئی لوگ یا پیسے دے کر خود کو مسلمان ہونے سے بچاتے تھے یا مسلمان بن کر پیسے بچاتے تھے جن مقامات پر لوگوں نے اپنی آزادی اور عزت بچانے کے لئے مخالفت کی وہاں ان حکمرانوں کی طرف سے قتل عام ہوا اور عورتوں اور مردوں کو غلام بنا کر سپاہیوں میں تقسیم کیا گیا یا عربستان بھیجا گیا۔ لوٹ کھسوٹ کیا ہوا مال مال غنیمت سمجھ کر کروڑوں کی تعداد میں عربستان بھیجا گیا۔ یہ تمام کام اسلام کے نام پر ہوا۔ ان کے ذریعے اسلام کا لوگوں پر کیا اثر ہوا ہو گا۔ صاف ظاہر ہے۔

ان تمام باتوں نے ہمیں بزدل اور بے ہمت بنا دیا۔ اب ہم لوگوں کے بزدل بننے کے دوسرے سبب پر تبصرہ کریں گے۔

2- فیوڈل سسٹم (زمیندارانہ یا سرداری نظام)

اگر غور سے دیکھا جائے گا تو سندھیوں کے خاصا حصہ کا مویشیوں کو پالنے اور کھیتی باڑی پر گزر اوقات ہے۔ مچھلی پر گزر اوقات کرنے والے اور دوسرے تاجر تھوڑے ہی ہیں۔ شہری زندگی کی جھلک' بہت ہی کم ہے۔ لوگوں کی اکثریت دور دور رہتی ہے یا نیم خانہ بدوشی کی حالت میں گزارتی ہے۔ لوگوں کی اکثریت قبیلوں میں تقسیم ہے وہ سرداروں اور وڈیروں کے زیر اثر ہیں۔

تاریخ میں باخبر لوگوں کو معلوم ہے کہ انسان کتنے ادوار سے گزرا ہے جس کو انگریزی میں (Ages) کہا جاتا ہے۔ ماہروں نے اسے :

1- پتھر کا دور

2- دھاتوں کا دور

3- لوہے کا دور

4- خانہ بدوشی کا دور

5- زرعی دور

6- تجارتی دور

7- فنی دور

8- سائنسی دور

اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ بدویانہ اور زراعتی ادوار میں لوگوں کی تقسیم قبائلی رہی ہے۔ جس میں لوگ زمینداروں اور سرداروں کے زیر سایہ رہے ہیں۔ معلوم ایسے ہو رہا ہے کہ گزشتہ تین ہزار برس سے سندھ اس نظام کے زیر تحت رہا ہے۔

اسلام آنے کے بعد بھی یہ نظام قائم رہا ہے۔ لوگ عام طور پر سرداروں' وڈیروں' زمینداروں اور پیروں کے زیر اثر رہتے آئے ہیں۔ عام لوگوں کے ہر کام کا دارومدار ان پر ہی رہا ہے۔ چوری سے بچنے' چوری کا مال واپس کرانے' ان کی تکرار ختم کرانے وقت اور پیسے وغیرہ کی مدد کرنے کے کام ان کے ذریعے ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ ان کے مطیع ہو گئے ہیں۔ اس طرح کی برپا کی گئی اونچ' نیچ اور امیری غریبی' عوام کی بزدلی کا سبب بنی ہے۔

3- کاشت کاری کی خاطر لوگوں کا دور دور رہنا

کاشت کاروں کا خاصا حصہ بے زمین کسان اور چھوٹے زمیندار ہیں۔ جو پرانے طریقے کے موجب کاشتکاری کرتے ہیں۔ ان کو کاشت کے بچاؤ اور وقت بہ وقت زمین میں کام کرنے کے لئے زمین کے نزدیک ہی رہنا پڑتا ہے۔ اس لئے ان کو خاصی مشکلات درپیش رہتی ہیں۔ وہ چوروں اور ڈاکوؤں کی زد سے محفوظ نہیں رہتے ہیں۔ اور بچوں کو صحیح تعلیم نہیں دلا سکتے ہیں۔ بیماری کے وقت ان کو صحیح اور بروقت علاج میسر نہیں آتا ہے۔ سیم' سیلاب اور جنگلات میں غیر صحت بخش مقام پر رہنے کی وجہ سے صحت مند نہیں رہتے ہیں۔ اس طرح تنہائی میں رہنے کے سبب چوروں' دشمنوں

اور جانوروں کا خطرہ ہمیشہ ان کو رہتا ہے۔ شہری زندگی کی سہولیات سے بھی محروم ہیں۔ ایسے حالات میں ان کو با اثر لوگوں یا زمینداروں کی مدد کی ضرورت رہتی ہے۔ زمینداروں نے ان کو مدد دینے کی خاطر ریونیو' پولیس' جنگلات اور دوسرے محکموں کے آفسروں کو راضی رکھنا ضروری سمجھا تھا۔ ان کو راضی رکھنے کے لئے رشوت اور دوسری خوشامد کی ضرورت ہوتی ہے۔

نوکر شاہی پر وقتی حکمرانوں کا اثر رہتا ہے۔ ترقی یافتہ جمہوری ممالک میں اس کی وجہ سے ہی حکومت پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے ہی مختلف پارٹیوں کے درمیان کشمکش رہتی ہے۔ اور پسماندہ ممالک میں ہر افراد طاقت میں آئے ہوئے گروہ کی سلامی کرتا ہے۔

سندھی ابھی تک آخری گروہ میں شامل ہیں جب تک ان کی یہ حالت ہے ان میں سے بزدلی اور بے ہمتی نہیں جائے گی۔ اس کا علاج صرف قومی شعور ہی پیدا کرنے سے ہو سکتا ہے۔ لفظی طور پر خودی کی تعلیم' بہادری اور قربانی کی پرچار بے معنی ثابت ہوئی ہے جب تک اس مرض کے پیدا ہونے کے اسباب دور نہیں کیئے گئے۔ اس وقت تک فائدے کا امکان نہیں ہے۔ اس کے لئے شرط اول شہری زندگی کا پیدا کرنا ہے۔ بڑے گاؤں یا شہروں میں ایک ساتھ رہنے کے سبب حفاظت' تعلیم اور صحت کا انتظام اور ڈھارس ہوتی ہے۔ [illegible]سری بات جس کی ضرورت ہے وہ بے زمین کسانوں کو زمین دلانی ہے۔ جب تک ان کی اپنی زمین نہیں ہو گی۔ وہ لگن سے کاشتکاری نہیں کریں گے۔ لیکن زمین کم از کم 150 ایکڑ فی خاندان ہونی چاہیے اس سے کم زمین ان کی خوشحال زندگی کے لئے کافی نہیں ہو گی۔ علاوہ ازیں صرف کھیتی پر گزارہ پر سلامت نہیں ہے۔ کیونکہ کبھی کبھی فصل امراض کی وجہ سے خراب ہو جاتی ہے۔ اور لوگوں کو تمام سال مشکل سے گزارنا پڑتا ہے۔ اس لئے گاؤں میں چھوٹے چھوٹے فنی گھر مروج کرنے چاہئیں۔ کہ وہ اپنی پیدائش میں اضافہ کر سکیں۔

اب سوال پیدا ہو گا کہ گاؤں میں لوگوں کو کون آباد کرے؟ زمین کون کر دے۔ کوآپریٹو فارم کون بنائے۔ فنی تربیت کون دے۔ ابھی تک ہم نے تمام ذمہ داری حکومت پر رکھی ہے۔ لیکن حکومت اکثر و بیشتر ایسے حضرات کے ہاتھ میں رہی ہے۔ جن کو عوام سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس لئے کہ ان کے مفادات عام لوگوں کے

مفاد سے متضاد ہیں۔
ابھی تک ہم نے سیاست کے ذریعے لوگوں میں سیاسی شعور پیدا کر کے اور عوامی نمائندے منتخب کرا کے عوامی حکومت لا کر اس کے ذریعے یہ کام کرانے کی جو بھی کوششیں کی ہیں وہ مختلف وجوہات کے سبب رایگاں گئی ہیں۔
غور و فکر کرنے کے بعد ہمیں نئے سرے سے کام کی ابتداء کرنی پڑے گی۔ اس لئے بزم صوفیائے سندھ کو قائم کر کے مخلص کارکنوں کے ذریعے قومی امراض کو دور کرنے کے لئے کوشش کرنا چاہتے ہیں۔

4- جغرافیائی حالات اور غیر معتدل آب و ہوا

لوگوں کی زندگی میں جغرافیائی حالات اور آب و ہوا کا خاصا اثر پڑتا ہے۔ جنوب کی آب و ہوا نمی زدہ ہے اور شمال میں سخت گرمی اور حبس ہے جو دونوں باتیں سستی اور کمزوری پیدا کرتی ہیں۔ دریائے سندھ کے رخ تبدیل کرنے' سیلاب اور خشکی بھی لوگوں کی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔
ملک سیدھا ہے۔ اس میں گھنے جنگلات اور پہاڑ نہ ہونے کے سبب معاشرے کی خامیوں سے تنگ آکر بغاوت کرنے والوں کے لئے بھی کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔ بلوچ اور پٹھان اس معاملے میں بڑے خوش قسمت ہیں۔
ایسے بھی نہیں ہے کہ مذکور شدہ حالات نے ہماری عوام سے ہمت اور غیرت نکال دی ہے۔ اگر عام آدمی' زمیندار اور نوکر شاہی بزدل ہو گئی ہے۔ تو بھی کچھ حضرات ایسے رہے ہیں۔ جنہوں نے معاشرے کی خامیوں کے سبب جوش میں آکر سر کی پرواہ کئے بغیر اپنی جان آگ میں ڈالی۔ "حر تحریک" وقتی دنگا فساد' ڈاکوؤں کا پیدا ہونا یہ تمام اس بنیادی جذبے کے باعث ہوئے ہیں۔ صحیح تعلیم' اصلاح نفس اور بلند اخلاقی نہ ہونے کے سبب لوگوں کی یہ پوشیدہ قوت اور غیرت تمام غلط کاموں' باہمی اختلافات اور بد اخلاقی میں صرف ہوتی ہے۔
ملک کے کئی بہادر ہماری اصلاحی کوشش کے نہ ہونے کے سبب موت کے گھاٹ چڑھ رہے ہیں۔ کاش یہ ہمت کا جذبہ اور غیرت کا صحیح حقوق کی حفاظت' ملکی آزادی اور حفاظت' خدمت خلق اور معاشرے کو درست کرنے کے لئے لایا جاتا

ہوتا تو ہمیں یہ تکلیف دہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔

مختصر طور پر لوگوں سے بزدلی اور بے ہمتی کے اسباب بیان کرنے کے بعد' ان کو دور کرنے کے لئے کچھ تجاویز آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔

پہلے سبب مذاہب کی غلط تشریح اور تعلیم کی وجہ سے پیدا شدہ بے ہمتی کو دور کرنے کے لئے ہمیں مذہب کی خامیوں کو دور کر کے صحیح تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے۔

ہم خود کو حالانکہ مسلمان کہلاتے ہیں۔ اور اسلامی کو ہم بنی نوع کے اتحاد' امن عالم اور ترقی بنی آدم کا پیغام بر سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر ہم اپنے من میں دیکھیں اور اپنے عمل اور اپنے عقائد پر نظر ڈالیں گے تو ہمیں معلوم ہو گا کہ ہم نے ابھی تک "شیومت" کے کئی ہزار برس پہلے کے سبق لنگم اور ترسول کے پوجا کو نہیں چھوڑا ہے۔

اکثر لوگ ابھی تک طاقت کے مرید اور سکھ کے خواہشمند رہتے آئے ہیں۔ ملا کی اسلامی تشریح کس قدر شیومت کے اصول سے جدا ہے۔ اس کی معلومات تھوڑی فکر کرنے سے ہی مل جائے گی۔ زمیندار کی تابعداری' پیر پرستی' نوکر شاہی اور حکومت کا خوف یہ تمام اس نقطہ کی پیداوار ہیں۔

فرقہ واریت' باہمی نفاق اور تشدد کی تلقین کس قدر دین محبت اور امن کے مطابق ہے۔ یہ ہر کوئی جان سکتا ہے کیا ایسے عقائد اور خیال قومی اتحاد اور آزادی لا سکیں گے؟ اسی لئے اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ باہمت اور بلند خیال ہوں تو مذاہب کی غلط تشریحوں کو چھوڑنا ہوگا اس کی کسوٹی یہ ہے کہ جو بات مفاد پرستی' نفاق' نفرت' جبر' اونچ' نیچ اور بزدلی پیدا کرتی ہے۔ یہ کبھی بھی اسلام کا رکن نہیں بن سکتی ہے کیوں نہ ہی اس کو عالم یا حکیم الامت کسی بھی دلائل سے اسلام کا جزو ثابت کرنے کی کوشش کریں۔

دوسرا سبب زمیندارانہ اور سرداری نظام

یہ بھی بے ہمتی اور بزدلی کا اہم سبب ہے اور اس کو ختم کرنا ضروری ہے۔ یہ مفاد پرستی اور بے ہمتی کا اڈہ ہے۔ سندھ اور سندھیوں پر جو بھی مصیبتیں نازل ہوئی

ہیں۔ ان کے لئے جواب دہ یہی نظام ہے۔

سردار قوم کا لیڈر ہوتا ہے لیکن اس منصب کا دارومدار خدمت خلق' اخلاق حمیدہ' قومی شعور' ملک اور قوموں کی آزادی اور ترقی' ہمت اور استقلال کے مظاہرے اور قربانی کی لیاقت پر ہونا چاہئے اور نا ہی دولت کی فراوانی' جائیداد' طاقت اور نسل کی بنیاد پر ہونی چاہئے۔

ہم جن درگاہوں پر گئے ہیں ان بزرگوں نے لوگوں کی نفسیاتی اصلاح' اخلاقی درستگی' صحیح تعلیم اور تربیت کے لئے اپنے من اور تن کو تیاگ کر اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ اسی لئے ہی ان کے مزارات ابھی تک مرجع خاص و عام ہیں۔ جس طرح سے حضرت ابراہیم علیہ اور پیغمبر خدا محمدؐ نے کعبتہ اللہ کو بتوں سے صاف کیا تھا۔ اسی طرح ہمیں ان اداروں کو پاک صاف کر کے' ان کے بنیادی مقاصد کے لئے کام میں لانا ہے۔

تیسرا سبب کاشتکاری کی وجہ سے نیم خانہ بدوشی ہے

اس سے جان چھڑانے کے لئے ہمارے کارکنوں کو عوام میں اور گھر گھر پر چار کرنی چاہئے۔ کہ وہ علیحدہ علیحدہ رہنا چھوڑ کر' بڑے گاؤں میں رہیں۔ کاشتکاروں کو زمین دلانے کے لئے ہمیں جدوجہد کرنی چاہئے۔ لیکن اس کو سیاسی خلفشار سے علیحدہ رکھنا ہو گا۔ اور چھوٹے گاؤں میں چھوٹی فنی تربیت گاہوں کو مروج کرنے کے لئے پروگرام بنا کر کام کرنا ہے۔

ہمارے کارکنوں کو بے کار اور تارک الدنیا صوفی بننا نہیں ہے۔ ہم اس دنیا کو فانی سمجھ کر' ترک کرنے کی تعلیم دینے کے حامی نہیں ہیں۔ بلکہ اس کو ترقی دلا کر باغ ارم بنانا چاہتے ہیں ہم ان دیکھے' بہشت کی امید پر لوگوں کو بے کار بنا کر وعدے تک انتظار کرانا نہیں چاہتے ہیں۔ ہم لوگوں میں اتحاد اور محبت پیدا کر کے امن اور سلامتی لانا چاہتے ہیں جو بہشت حقیقی کا پیش خیمہ ہو گا۔ ہم شخصی اقتدار حاصل کرنے کی بجائے بنی نوع کے روشن مستقبل کے متمنی ہیں اور ہم دنیا کی نئی تعمیر میں حصہ لینا چاہتے ہیں۔ جس سے بنی نوع' امن کے ساتھ مہذب اور متمدن زندگی گزار سکیں۔

چوتھا سبب جغرافیائی حالات اور آب و ہوا کی مشکلات کا ہے

ان مشکلات کو دور کرنے کے لئے جو حل مجھے نظر آرہا ہے وہ یہ ہے کہ ملک کو سرسبز اور شاداب بنا کر لوگوں کا معیار زندگی بلند کرنے سے ہم فطری جغرافیائی اور فطری آب و ہوا کی مشکلاتوں کا سامنا کر پائیں گے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو ممالک ہموار اور آباد رہتے ہیں ان تمام ممالک کے باسی، کمزور اور بزدل ہوتے ہیں اور ان میں مشکلات کا سامنا کرنے کا مادہ نہیں ہے۔ فرانس اور اٹلی اس کی اہم مثالیں ہیں۔ انقلاب فرانس تاریخ کا اہم واقعہ ہے اور اٹلی کی رومن شہنشاہیت کے عروج کے نشان میڈیٹیرین سمندر کے ہر طرف ابھی تک نظر آئیں گے۔

ہم اگر خود میں قومی شعور، بہادری، قربانی اور ہمت کا مادہ پیدا کر پائے تو دوبارہ عروج و کمال پر آسکتے ہیں "موہن جودڑو" ہمارے شاندار ماضی کی زندہ مثال ہے۔ اس لئے ہمارے کارکنوں کو مندرجہ ذیل فیصلے کرنے پڑیں گے۔

1- ہر ظلم اور جبر کے سامنے سر جھکانے کی بجائے اپنی قسمت کو اپنے ہاتھ میں رکھنا ہے۔ مساوات اور باہمی تعاون ہمارے نعرے (Watch Wor d) ہونے چاہئیں۔

2- ہمیں غلط مذہبی تشریح کو چھوڑ کر، روح مذہب سے واقف ہونا ہے۔
"مذاہب ہمارے لئے بنے ہیں نہ کہ ہم مذاہب کے لئے"۔

3- سستی اور کاہلی کو چھوڑ کر محنت اور جدوجہد کرنے کے لئے لوگوں میں روح پھونکنا ہے شاہ لطیف فرماتے ہیں:-

تتيءَ ٿڌيءَ ڪاهه، ڪانهي ويل ويهڻ جي،
متان ٿئي اونداهه، پير نه لهين پرينءَ جو!

گرمی اور سردی میں جدوجہد کرتے رہو۔ بیٹھنے کا یہ وقت نہیں ہے ایسے نہ ہو کہ اندھیرا ہو جائے اور تم محبوب کے پاؤں کو بھی دیکھ نہ پاؤ۔

4- ہمارے کارکنوں کو راہب بننے کی بجائے رند ہونا ہے دنیاوی اور روحانی خوشی اور ترقی کا حصول ہمارے اصول ہونے چاہئیں۔ درویشوں میں سے کتنوں ہی نے یہ تعلیم دی ہے۔ شاہ لطیف فرماتے ہیں:-

ڪنين جي هارائين، هنڌ تنهنجو هيءُ،
ڄاڻان چوندءِ پيءُ، پڙي جام جنت جو!

جیتو یا ہارو۔ یہی تمہارا مقام ہے تمہیں خود ہی وہ کہیں گے کہ "جام جنت پیو"۔

حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

دم فرصت غنیمت دان و داد خوش دلی ستان
بسی گردش کند گردون' بسی لیل و نہار آید

زندگی کی فرصت کو غنیمت جان کر اس سے پورا لطف حاصل کرو۔ کیونکہ زمانے تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ دوبارہ موقع نہ ملے۔

حافظ رسید موسم گل' معرفت مخواں
در باب نقد عمرو ز چون و چرا پرس

حافظ زندگی کی بہار میں دوسری دنیا کی باتیں مت کر۔ اور بغیر پوچھ گچھ کے زندگی کی بہار کا مزا لو۔

5- جس قوم کا وطن آزاد نہیں ہے۔ وہ زیادہ وقت زندہ رہ نہیں سکتی ہے۔ ذہنی اور مادی آزادی ہمارا جنمی حق ہے۔ لیکن اس کا حصول' قومی شعور' قربانی اور اخلاقی بلندی کے سوا ملنا مشکل ہے۔

ويٺي ور نه پون، ستي ملن نه سپرين،
جي متي رندن رون، ساجن ملي تن کي! (شاهه)

بیٹھے ہوئے شوہر نہیں ملتے اور سوتے ہوئے محبوب نہیں ملتا جو پہاڑ جھاگتی ہیں ان کو ہی ساجن ملتا ہے۔

ڪر ڪو واڪو وس، ويهه م مند پنهور ۾،
چڙهي ڏاڍين ڏونگرين، پير پنهونءَ جو پس،
ڏورڻ منجهان ڏس، پوندءِ هوت پنهونءَ جو! (شاهه)

کوئی آواز بلند کر' اے عورت "بھمبھور" میں ایسے نہ بیٹھ جا۔ پہاڑوں پر چڑھ کر "پنوں" کا پاؤں دیکھ۔ جدوجہد سے ہی تمہیں "پنوں" کی خبر ملے گی۔

تون جي ڪالهه مئي، ته ڪالهه ٿي گڏبين پرينءَ کي،
ڏڌين ڪاڻ سٺي، نه ڪا سکي گڏي سڄڻين!
(شاهه)

تم اگر کل ہی مرجاتی، تو کل ہی محبوب کو مل جاتی۔ یہ نہیں سنا کہ فنا ہوئے بغیر کبھی محبوب ملا ہے۔

— غلام مرتضیٰ

بزم صوفیائے سندھ کی طرف سے بسنت ہال حیدر آباد میں 28 اگست 1967ء میں سوشل ورکرز کی میٹنگ میں کی گئی وضاحتی تقریر

عزیز بھائیو!

میں آپ کا ممنون اور مشکور ہوں کہ آپ اس مجلس میں شریک ہوئے ہیں۔ میں آج آپ کو یہاں اکٹھے ہونے کے مقصد سے آگاہ کروں گا۔

کچھ دن ہوئے ہیں کہ بزم صوفیائے سندھ کی کانفرنس ہو نہ پائی ہے۔ اسی لئے 9 اپریل 1967ء کو "سن" میں بزم صوفیائے سندھ کی ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ چند اہم مسائل پر غور و فکر کرنے کے لئے بلائی گئی تھی۔ میٹنگ میں شریک حضرات نے بزم کو بامقصد اور باعمل جماعت بنانے کے لئے کئی ٹھوس نتائج اخذ کیے۔

سندھ کے قومی شعور میں داخل ہوئی خامیوں اور کوتاہیوں کو نکالنے کے لئے انہوں نے مندرجہ ذیل مقاصد متعین کیے۔

1- عوام میں قومی شعور پیدا کیا جائے۔
2- عوام میں جذبہ خوداری پیدا کیا جائے۔
3- مذہب کے نام پر لوگوں کو گمراہ ہونے سے بچایا جائے۔ اور اس کی صحیح تشریح کی جائے۔
4- قوم کی اخلاقی اصلاح کی جائے۔
5- قوم کی نفسیاتی درستگی کی جائے۔
6- عوام کی سماجی خدمت کرنے کی طرف مخلص کارکنوں کو مائل کیا جائے۔

وہاں کچھ قرار دادیں بھی منظور کی گئیں جن کے مطابق مذکور شدہ مقاصد کے حصول کے لئے مندرجہ ذیل مرتب شدہ پروگرام کے مطابق کام کرنا ہے:۔

1- کتابوں' رسالوں' شعر و شاعری' کلچرل کانفرنسوں' راگ و سرود کی محفلوں اور دوستوں کے ساتھ تبادلہ خیالات کے ذریعے مذکور شدہ مقاصد کے لئے پرچار کرنی ہے۔

2- اس کے واسطے شاعروں' لوک فنکاروں اور ادیبوں کی منظم جماعتوں سے رابطہ پیدا کر کے ان کو ہم خیال اور ساتھی بنانے کی کوشش کرنی ہے۔

3- ملک کے اہل علم' اساتذہ اور طالب علموں سے رابطہ کر کے ان کو ساتھی' ہمدرد اور قومی کارکن بنانا ہے۔

4- معاشرے کی خامیوں اور خرابیوں کے اسباب کی تفتیش کر کے ان کو دور کرنے کے لئے' سماجی کارکنوں کا گروہ پیدا کرنے کے بعد ان کی تعلیم اور تربیت کے لئے مرکز قائم کرنے ہیں۔

5- دیہاتیوں کی سماجی اور اقتصادی بہتری اور ترقی کے لئے ان کو نیم خانہ بدوشی سے نکال کر گاؤں میں رہنے کے لئے آمادہ کرنا ہے۔ اور جدید طریقے سے کاشت کاری کرنے' کسانوں کو زمین دلانے' نشے اور خراب عادتوں سے دور رہنے کی ہدایت کرنے' دیہی ہنر کو زور دلانا' اور صحت اور صفائی کے لئے پرچار کے واسطے پروگرام مرتب کر کے کام کرنا ہے۔

ابھی تک سوسائٹی میں پیدا شدہ خامیوں کو دور کرنے کے لئے دو ذریعے استعمال کیے گئے ہیں:۔

1- ایک طریقہ سیاست کے ذریعے اقتدار حاصل کر کے اس کے ذریعے ملک کی صحیح تعلیم' بہتری' اخلاقی درستگی' اقتصادی ترقی اور سماجی اصلاحی کام کرنے کا ہے۔

2- دوسرا طریقہ چند مخلص اور صاحب دل قومی کارکنوں کا گروہ پیدا کر کے مذکور شدہ مسائل کے حل کے لئے لوگوں کی تالیف قلوب کے ذریعے پرچار کرنا ہے۔

ہم میں سے اکثریت نے اپنے طریقے کو آزمایا اس سے فائدے کی بجائے باہمی نفاق اور کشمکش ہوئی۔ جس صورت میں عوام اور خواص کے مستقل مفاد متضاد تھے۔ خاص پہلے ہی اقتدار میں تھے۔ عوام میں مختلف وجوہات کے سبب سیاسی شعور پیدا نہ

ہو پایا تھا۔ اس لئے مغربی جمہوری طرز حکومت کے طریقے پر حکومت چلانے کے بیس سالہ تجربے کے بعد معلوم ہوا ہے کہ یہ طریقے کار کارگر نہ ہو پائے ہیں۔ اب تو یہ راستے بھی خاص حد تک مسدود ہو چکے ہیں۔

ان باتوں کے مدنظر ہمارے لئے اور کوئی سلامتی کا راستہ نہیں رہا۔ ماسوائے سیاسی راہ سے کنارہ کشی کر کے سماجی طور پر قومی اصلاح کرنے کے۔ مثل مشہور ہے کہ:۔

راہ راست برو گرچہ دور است

"سیدھے راستے پر جاؤ کیوں نہ وہ کتنا ہی دور ہو"۔

آج ہم مذکور شدہ مسائل کو سرانجامی کے لئے نظام قائم کرنے کے واسطے اکٹھے ہوئے ہیں۔ نظام کا معنی ہرگز یہ نہ لیا جائے کہ ہم ہر ایک کام کے لئے الگ الگ جماعتیں بناتے جائیں بلکہ مرکزی نظام کے تحت علیحدہ کاموں کے لئے کچھ کمیٹیاں بنا کر مخصوص دائرے میں کام کو تقسیم کر کے ہاتھ میں لیں۔

کچھ حضرات تمام عمر سیاست سے وابستہ ہونے کے سبب ممکن ہے کہ ہمارے اس فقیرانہ طریقہ کار میں دلچسپی نہ لیں لیکن مجھے کافی امید ہے کہ اگر ہم ان کا تمام وقت اس طریقے کار کی طرف متوجہ نہ کر پائے۔ اور ہم ان کا گوشہ چشم خود کی طرف مائل کر پائے تو بھی یہ غنیمت ہو گی۔

اس لئے حاضرین کی خدمت میں مندرجہ ذیل تجاویز پیش کر رہا ہوں اگر وہ انہیں قبول ہوئیں تو میں اس کو باعث سعادت سمجھوں گا۔

1- دیہاتی زندگی کو بہتر کرنے کے لئے "گاؤں سدھار" کمیٹی بنا کر اس کے ذریعے مندرجہ ذیل کام کیے جائیں۔

(i) کسانوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کو زمین دلانا۔

(ii) ان کو بڑے گاؤں میں رہنے کے لئے راغب کرنا۔

(iii) دیہی ہنر کو بڑھانے کے لئے کوشش کرنا۔

(iv) صحت اور صفائی کے لئے انہیں ترغیب دینا۔

2- دیہاتیوں کی اخلاقی درستگی۔ نفسیاتی اصلاح' صحیح تعلیم اور تربیت کے لئے چند مخلص کارکنوں کا گروہ پیدا کرنے کے لئے مندرجہ ذیل طریقے استعمال کیے

جائیں۔

(i) ہر ضلعے میں ایک ایسا مرکز قائم کیا جائے جس میں کارکنوں کی 15 دن کے لئے تربیت کی جائے۔

(ii) ایک مرکزی خانقاہ یا آشرم قائم کرنا۔

3- لوگوں سے مفاد پرستی' بزدلی اور نفاق دور کر کے قومی شعور پیدا کر کے مجموعی مفاد کے لئے قربانی کا مادہ پیدا کرنے کے لئے کتابوں' مضامین' تقاریر' تحریر' ناٹک' شعر و شاعری اور راگ و سرود کے لئے ایک کلچرل کمیٹی بنانا۔ جس کے کام مندرجہ ذیل ہونے چاہییں:-

(i) عوام میں جذبہ خودداری اور قومی شعور پیدا کرنے کے واسطے شاعری کو کتابی صورت میں گاؤں گاؤں میں تقسیم کیا جائے۔

(ii) ان اشعار کو راگ کے ذریعے لوگوں تک پہنچایا جائے۔

(iii) قومی ہیروز کی سوانح عمری کتابی شکل میں شائع کر کے گاؤں میں تقسیم کی جائے۔

(iv) کلچرل کانفرنسیں منعقد کرانا۔

(v) لوک راگ' ناٹک اور کھیلوں کی حوصلہ افزائی کر کے ان کو ترقی دلانا۔

4- مستقل مفاد' مذہب کی غلط تشریح کر کے عوام کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ لوگوں کے سامنے مذہب کی صحیح تشریح پیش کر کے' اتحاد بنی نوع' امن عالم' اور ترقی بنی آدم کے لئے پرچار کیا جائے۔

5- خدمت خلق کے لئے سماجی کارکنوں' وکلاء' تاجر' ڈاکٹر' اساتذہ' شاعروں اور طالب علموں کو متوجہ کر کے مندرجہ ذیل کاموں کے لئے غریب عوام کی مدد کرنے کے لئے تیار کیا جائے۔

(i) بدامنی سے بچانا۔

(ii) تعلیم اور صحت کے لئے مدد کرنا۔

(iii) ان کی مقامی مشکلات دور کرانے میں مدد کرنا۔

ان چند گزارشات کے بعد آپ کو گزارش کروں گا کہ ان باتوں پر اپنی رائے کا اظہار کر کے کچھ کمیٹیاں بنا کر چند مخلص کارکن جدا جدا کام اپنے ذمہ لیں۔

آٹھویں سندھ ثقافتی کانفرنس خیرپور منعقدہ درگاہ ابھن شاہ علیہ (11 جون 1967) افتتاحی خطبہ جناب جی۔ ایم۔ سید

عزیز بھائیو!

یہ بزم صوفیائے سندھ کی آٹھویں کانفرنس ہے ابھی تک اس تحریک سے وابستہ دوستوں کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ بزم ہم نے کن مقاصد کے لئے قائم کی ہے۔

جب کوئی فرد بیمار ہو جاتا ہے اور اس کا علاج ناممکن ہو جاتا ہے اور کوئی دوا اس پر اثر نہیں کرتی ہے تو شاہ لطیف نے اس حالت میں اس کو "ہوت" کے حوالے کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ "ہوت" روحانی حکیم کو کہا جاتا ہے۔ قوموں پر بھی وہی بات لاگو ہے۔ جب کچھ اقوام حوادث زمانے کے سبب سیاسی محاذ پر شکست کھانے کے بعد پست حال ہو جاتی ہیں اور ان میں اخلاقی کمزوری اور نفسیاتی بے ہمتی گھر کر جاتی ہے تو ان کو ملکی سیاست سے الگ ہو کر کلچرل اور روحانی طریقوں پر قائم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ سندھی موجودہ دور میں قومی ادبار کی حد تک پہنچ چکے ہیں' ان کا سیاسی وجود ختم ہو چکا ہے۔ زبان کی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں پیدا ہو چکیں ہیں۔ اور قومی شیرازہ منتشر ہونے کے نزدیک ہے۔ ظاہری یعنی سیاسی راستے اس پست حالی کو دور کرنے کے لئے آزمائے گئے ہیں۔ اس حالت میں صرف ہمارے لئے ہمارے درویشوں کا طریقہ علاج باقی رہا ہے۔ ■ یہ ہے کہ اس بیماری کا سبب دوسروں کو بنانے کی بجائے اپنے من میں دیکھ کر اور اپنے عیبوں کو سمجھ کر دور کرنے کے لئے جدوجہد کریں۔

مڇين " سواري، منهن ويڙهي مٿن جيئن،
ڏٺي نه ڏيرن جا، چوڏاري چاري،
تهلائهن ويچاري، ماٺ ستيئي ڇڏيو!
(شاهه)

اے "مسی" تم مرے ہوؤں کی طرح سو گئی۔ اپنے دیوروں کی ہر چال کو تم نہ دیکھ پائی اسی لئے تمہیں کارواں نے سوتے ہوئے چھوڑا"۔

شاہ صاحب کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے میں نے جب اپنی قومی پست حالی کی تشخیص کی تو مجھے اس کے مندرجہ ذیل اسباب نظر آئے۔

(i) مفاد پرستی۔

(ii) قومی شعور کی عدم موجودگی۔

(iii) نفرت اور نفاق۔

(iv) بزدلی اور بے ہمتی۔

اس بزم کی مجالس میں، میں نے اپنے وسعت فہم کے موجب ان خامیوں کے اسباب اور ان کے سدباب کا ذکر کیا ہے۔ پہلی دو مجالس میں بزم کے مقاصد کا ذکر کرنے کے بعد میرپور بٹھورو، بھٹ شاہ اور ڈھڑو کی کانفرنسوں میں، سندھیوں میں نفرت اور نفاق کے اسباب کو دور کرنے کی تجاویز پر بحث کی تھی۔

"سن میں" میں نے "پیغام سندھ" کا ذکر کیا تھا اور "نبی سر" کانفرنس میں، سندھیوں میں بزدلی اور بے ہمتی کے پیدا ہونے اور ان کو دور کرنے کے لئے کچھ دیں تھیں آج اس خطبے میں "قومی شعور کی عدم موجودگی" کا ذکر کروں گا۔

اس سلسلے میں ہمیں پہلے یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ ہم قوم کے کونسے تصور میں اعتماد رکھتے ہیں۔ جس کی بنیاد پر ہمیں قوم میں ہم رنگی، یک جہتی اور اتحاد کا شعور پیدا کرنا چاہیے۔

یہاں قوم کے کونسے تصورات مروج ہیں؟

قوم کے الگ الگ تصورات کا سوال سیاسی فلسفے سے تعلق رکھتا ہے۔ جس پر فلسفہ سیاست کے ماہروں کی رائے مختلف ہیں۔ ان کا مفصل ذکر ہمارے مضمون کے دائرے سے باہر ہے۔

ہمیں اس مسئلے پر بزم صوفیائے سندھ کے مقاصد' سندھیوں کی صحیح تعلیم' ان کی اخلاقی درستگی اور نفسیاتی اصلاح کے نقطہ نگاہ سے کرنی ہے۔ جیسا کہ قومی شعور کا واسطہ تعلیم سے ہے اسی لئے ہمیں اس مسئلے کی بابت ذہن صاف کر کے ملک میں مروج قومی تخیلات سے ایک پر اعتماد کرنا ہے۔ یہاں اس وقت تین قومی تخیل مروج ہیں۔

(i) مسلمانوں کی جداگانہ قوم کی تخیل۔

(ii) پاکستانیوں کی متحدہ قوم کا تخیل۔

(iii) وطن' زبان' کلچر' سیاسی اور اقتصادی مفاد کی بنیاد پر علاقائی قومیت کا تخیل۔

اب میں مذکور شدہ ہر ایک تخیل کے مختلف پہلوؤں پر بحث کروں گا۔

(i) مسلمانوں کی جداگانہ قوم کا تخیل:۔

اس قومی تخیل کی بنیاد مذہبی عقائد پر رکھی گئی ہے جس کے موجب مذہب اسلام پر ایمان رکھنے والے لوگ منتخب اور مثالی قوم بنتے ہیں۔ جن کو بنی نوع کی رہبری کرنی ہے۔

اس قسم کا دعوی قریباً" ہر مذہب کے پیروکاروں کا ہے۔ اس قسم کی قوم کا وطن' زبان' کلچر' مخصوص سیاسی اور اقتصادی مفاد سے واسطہ نہیں ہے۔ یہ بین الاقوامی قسم کی جماعتیں ہیں جیسے کہ "کمیونسٹ پارٹی"۔ مذہبی جماعتوں اور کمیونسٹ پارٹی میں فرق صرف یہ ہے کہ پہلی کا دارومدار فوق العقل عقائد پر اور دوسری کا عقل پر ہے۔ دعوی دونوں کا یہی ہے کہ بنی نوع کی نجات ان کے ذریعے ہی ہونی ہے۔

اس کے سبب یہ جماعتیں کچھ مخصوص علاقوں تک محدود نہیں رہتی ہیں۔

جیسے کہ جدید حکومتوں کا دائرہ اثر مخصوص خطۂ زمین (وطن) سے رہتا ہے۔ اسی لئے حقائق دہر' ملکی حالات اور روز مرہ کے عملی کاروبار کے لئے ان کی قومی ساخت وطن' زبان' کلچر' سیاسی اور اقتصادی مفاد کی بنیاد پر بنتی ہے۔ گزشتہ دو ہزار برس کے تجربے کے بعد مذہبی قوم کا تصور سیاست عمل کی دنیا میں بیکار اور فرسودہ ثابت ہوا ہے۔ بدھ مت کا آشوکا کے زمانے میں تجربہ' ہندو دھرم کا وکرماجیت کے

دنوں میں آزمودہ' عیسائیوں کا "پوپوں" کے دور حکومت کا نظام' مسلمانوں کا خلافت کے ذریعے اتحاد و تنظیم یہ تمام زمانے کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد ماضی کے یادگار رہ گئے ہیں۔ اس کے سبب ہی تمام جدید حکومتوں نے مذہب کو ملکی سیاست سے علیحدہ کر دیا ہے۔

اس وقت دنیا میں صرف دو ممالک اسرائیل اور پاکستان ہی ہیں جن کی حکومتوں کو ایک حد تک لفظی طور پر اس نظریے میں ایمان ہے۔ اور اس ملک میں اس نظریہ قومیت میں یقین رکھنے کے لئے ماضی کی روایات اور سیاسی ضروریات جوابدہ ہیں۔

ہندوستان ایک برصغیر تھا۔ جس میں مختلف زبانیں' خطے' کلچر' مذاہب اور نسل کے لوگ رہتے تھے۔ یہاں کتنے ہی حکمرانوں جیسے کہ آشوکا' وکرماجیت' اکبر اعظم' اور انگریزوں نے سیاسی یک جہتی لانے کے لئے مسلسل کوششیں کیں اور مختلف مذہبی درویشوں' ویدانتوں اور صوفیوں نے جیسے کہ گرونانک اور کبیر بھگت وغیرہ کی مذہبی اتحاد کے لئے پرچار کے باوجود ہندوستان کے باسی' علاقائی' طبقاتی' نسلی اور مذہبی اختلافات کے سبب ایک قوم بن نہ پائے۔ لیکن کچھ خوش فہم حضرات باوجود اختلافات کے ہندوستانیوں کی متحدہ قوم کا نعرہ لگاتے رہے۔ اسی لئے متحدہ قوم کے دعوے سے جن گروہوں کے طبقاتی مفاد کو نقصان پہنچ رہا تھا ان میں مسلمان اہم گروہ تھے۔ انہوں نے مذہب کے نام پر خود کو قوم قرار دے کر ملک کی تقسیم کرائی۔ ایک حصے کو بھارت اور دوسرے کو پاکستان کہا جاتا ہے۔

پاکستان کے بانی محمد علی جناح تھے۔ یہ بنیادی طور پر حالانکہ جدید نظریہ قومیت میں ایمان رکھتے تھے لیکن تقاضہ حالات کے سبب انہوں نے ہندو طبقاتی مفاد کے تسلط سے مسلمانوں کے طبقاتی مفاد کو آزاد کرانے کے لئے مسلمانوں کو آزاد حکومت لے کر دینا مصلحت وقت سمجھا۔ لیکن معلوم ایسے ہو رہا ہے کہ ان کو اس نظریے کی دائمی اہلیت اور افادیت میں یقین نہیں تھا۔ وہ صرف عملی سیاست کے نقطہ نگاہ سے مسلمانوں کے جداگانہ نظریے کو وقتی مقصد حاصل کرنے کے لئے ذریعہ بنا کر کام میں لائے۔ اس لئے قیام پاکستان کے بعد پہلی آئین ساز اسمبلی میں 11 اگست 1947ء کو اپنی افتتاحی تقریر میں اس قومی نظریے کی بنیاد پر پاکستانیوں کی متحدہ قوم کی تجویز پیش کی۔ اس تقریر کے اہم حصے یہ ہیں۔

"میں سمجھ رہا ہوں کہ گزشتہ کو درگزر کر کے آپ میں سے ہر ایک ملکی باشندے کو، کیوں نا وہ کسی بھی فرقے کا ہو یا اس سے پہلے کے ہم سے کیا بھی اختلافات ہوں یا کسی بھی رنگ، ذات اور اصول کا ہو۔ اس کو اس ملک کا شہری برابری کے حقوق اور جواب دہی کے ساتھ شمار کیا جائے۔ جیسا کہ یہ تمام فرق اقلیتی فرقے (ہندو) اور اکثریتی فرقے (مسلمان) کے ہیں۔ خود مسلمانوں میں بھی پٹھان، پنجابی، شیعہ، سنی، خوجا، میمن وغیرہ ہیں۔اور اسی طرح سے ہندوؤں میں برہمن کھتری، ونش بنگالی اور مدراسی وغیرہ ہیں، وہ تمام ضم ہو جائیں"۔

"مجھ سے اگر پوچھا جائے۔ تو میں کہوں گا۔ کہ یہی بات ہندوستان کی آزادی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ اگر یہ رکاوٹ نہ ہوتی تو ہم اس سے پہلے ہی آزاد ہوتے۔ کوئی بھی چالیس کروڑ افراد کی قوم کو غلام نہیں رکھ سکتا۔ اور نہ ہی آپ کو فتح کر سکتا تھا۔ اگر فتح پا بھی لیتا تو وہ زیادہ عرصہ تک جاری نہیں رہتی۔ اسی لئے اس سے ہمیں سبق حاصل کرنا چاہیے۔ آپ پاکستان کی حکومت میں آزاد ہیں کہ اپنے مندروں اور مساجد میں جائیں"۔

"آپ کے مذہب، فرقے یا اصول کا ملکی کاروبار سے کوئی تعلق نہیں"۔

تاریخ بتاتی ہے۔ کہ کچھ وقت قبل انگلینڈ کے حالات ہندوستان کے اس وقت کے حالات سے کہیں زیادہ خراب تھے۔ اگر آپ نے تاریخ پڑھی ہے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ وہاں رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ ایک دوسرے کو تکالیف پہنچاتے تھے۔

ابھی بھی کچھ حکومتیں ایسی ہیں، جہاں کچھ طبقات پر بندش عائد کی جاتی ہے۔ یا فرق محسوس کرایا جاتا ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ ہم نے اس وقت ابتداء کی ہے۔ کہ جب ایک فرقے اور دوسرے فرقے یا ایک ذات اور اصول کے افراد اور دوسرے فرقے، ذات اور اصول کے افراد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہم اس بنیادی اصول سے ابتداء کرتے ہیں کہ "ہم اس ملک کے برابر کے شہری ہیں"۔

انگلینڈ کے لوگ رفتہ رفتہ وقت کے ساتھ حقائق کے مدنظر حکومت کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ آج وہ رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ نہیں رہے ہیں۔ وہ عظیم برطانیہ کے برابری کے شہری اور ایک ہی قوم کے فرد ہیں۔ ہمیں ابھی اس مثال

کو سامنے رکھنا چاہیے۔ اور اس کی وجہ سے یہاں مختصر عرصے کے اندر نہ ہی ہندو' ہندو رہے گا۔ نہ ہی مسلمان' مسلمان رہے گا۔ مذہبی نقطہ نگاہ سے نہیں۔ کیونکہ یہ ان کا شخص عقیدہ ہے۔ لیکن سیاسی نقطہ نگاہ سے تمام افراد ایک قوم کے فرد ہو جائیں گے"۔

اس تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ غور و فکر کرنے کے بعد جناح صاحب نے نظریاتی بنیادوں پر مسلمانوں کے جداگانہ قومی نظریے کو حقائق دھر اور ملکی حالات کے خلاف سمجھ کر' دنیا میں مروج جغرافیائی وطن کی بنیاد پر' پاکستانیوں کے متحدہ قومی نظریے کو رائج کرنا چاہا تھا۔ لیکن کیونکہ ملک کی تقسیم مذہبی نظریے قومیت کے پروپیگنڈا پر ہوئی تھی۔ اور تقسیم کے بعد فرقہ وارانہ فسادات نے دونوں ممالک میں فرقہ وارانہ تلخی پیدا کر دی تھی۔ اس لئے جن بنیادوں پر مسلمانوں کو برسوں سے منظم کر کے مذہبی رنگ میں رنگ دیا گیا تھا۔ اس وجہ سے جناح صاحب کی تلقین بھی اکثر لوگوں پر اثر پذیر نہ ہو پائی۔ اور بدقسمتی سے وہ زیادہ عرصہ زندہ رہ نہ پائے۔ اسی لئے کتنے ہی مسلمان مندرجہ ذیل اسباب کے سبب مسلمانوں کے جداگانہ قومی نظریے کے ساتھ لپٹے رہے۔

(i) جیسا کہ ملک کی تقسیم مسلمانوں کے جداگانہ قومیت کی بنیاد پر ہوئی تھی۔ اسی لئے کچھ حضرات کو خدشہ پیدا ہوا کہ اس نظریے کو ترک کرنے اور جدید نظریے قومیت کو اختیار کرنے کے سبب' مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان جو ایک دوسرے سے ایک ہزار میل دور اور جدا جدا زبان اور کلچر میں تقسیم تھے۔ اور ملک کے دونوں حصوں میں سیاسی اور اقتصادی کشمکش جاری تھی۔ اسی لئے یک جہتی پاکستان مذہبی عصبیت کے سوا رہ نہ پائے گی۔

(ii) مسلمانوں کے گروہ میں خاصے وقت سے پین اسلام ازم کی بنیاد پر مذہبی اثرات بیٹھے ہوئے تھے اور وہ اس سے آزاد ہو نہ پائے تھے۔

(iii) کتنے ہی حکمران طبقے کے مسلمان اس خیال کے زیر اثر تھے کہ مذہب کے نام میں مسلمانوں کو منظم کرنے کے اصول کو چھوڑنے اور مختلف صوبوں کے باسیوں کے اختلافات کی وجہ سے پاکستان کی یک جہتی ٹوٹ جائے گی۔ اور اس سے انتشار پیدا ہو گا اور مرکز کمزور ہو جائے گا۔

یہی اسباب تھے جن کی وجہ سے پاکستانی قوم کے تخیل نے تقویت نہ پائی۔

اب آئیں اور غور کر کے دیکھیں کہ مسلمانوں کے جداگانہ قومی نظریے کے سبب عوام میں کس قدر ہم خیالی' یک جہتی اور ہم رنگی پیدا ہو پائی ہے۔ جو قومی شیرازے کو مضبوط کرنے کے لئے اہم بات ہے۔

میں تجربے اور فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس نظریے میں ایمان رکھنے کے سبب قومی شیرازہ مضبوط ہونے کے بجائے کمزور ہوا ہے۔ اگر زیادہ وقت اس نظریے کا راگ گاتے رہے تو ممکن ہے کہ کچھ وقت کے بعد مذہب کا موجودہ اثر و وقار لوگوں سے ختم ہو جائے۔ اس لئے بہتر ہے کہ ہم مسلمانوں کے جداگانہ قوم کی صلاحیت اور افادیت پر نظر کریں۔

(i) یہ قومی نظریہ عقیدہ کی بنیاد پر ہونے کے سبب جدید وطن کی بنیاد پر قوم سے متضاد ہے۔ اس نظریے کے مطابق دنیا کے ہر خطے میں رہنے والا مسلمان' مسلمان قوم کا فرد ہوتا ہے۔ جوبات جدید حکومتوں کے ملکی مفاد کے مطابق تسلیم کرنا مشکل مسئلہ ہو جائے گی۔ کیا بھارت یا دوسرے کسی ملک کے مسلمانوں کو پاکستان میں قومی اور شہری حقوق دیئے جا سکتے ہیں؟ جس میں زمین خریدنے' نوکری کرنے' بغیر پاسپورٹ کے آنے جانے اور ووٹ دینے کی اجازت آ جاتی ہے۔

جدید مسلمان حکومتیں دوسرے علاقے کے مسلمانوں کو صرف مسلمان ہونے کے ناطے سے یہ سہولیات دے نہ پائیں گی۔ ہر ملک کو یہ حق ہے کہ ملک کے داخلی مفاد کو جذباتی باتوں پر ترجیح دے۔

اس نظریے کا آخری مطمع نگاہ دنیا کے مسلمانوں کی فیڈریشن ہے۔ یہ خواہش صدیوں کے تجربے کے بعد بے کار ثابت ہوئی ہے۔ ترکوں نے اس سے فائدے کی بجائے زیادہ نقصان پانے کے سبب خلافتی ادارے کو ہی ختم کر دیا۔ عیسائی اقوام تو کافی عرصہ سے "پوپوں" کے زیر سایہ اس بات کی افادیت سے بیزار ہو چکیں تھی۔ اسی لئے تمام مسلمان ممالک عملی طور پر نسلی اور وطنی بنیادوں پر قومی نظریہ قبول کر چکے ہیں۔

(ii) پاکستان کے مسلمانوں کو اگر ہم مذہبی بنیاد پر قوم تسلیم کریں گے۔ تو یہاں کے

ہندو، بدھ، عیسائی اور پارسی مذہب کے پیروکاروں کی کونسی حیثیت رہے گی؟۔ اور ان کو کونسی قوم شمار کیا جائے گا؟ اور ایک ملک میں ایک سے زیادہ قومیتوں کا وجود کس قدر مفید ہو سکتا ہے۔

(iii) مسلمانوں کی جداگانہ قوم کی بنیاد مذہبی عقائد پر ہے۔ لیکن یہ بات ہر کسی کو معلوم ہے۔کہ مسلمانوں میں سینکڑوں مذہبی فرقے ہیں۔ جن کے لئے کہا جاتا ہے۔ کہ ایک ناجی اور دوسرے ناری ہیں۔ ان میں سے کونسا گروہ غلط اور کونسا صحیح ہے۔ اس کی بہ نسبت 1953ء میں پنجاب کے اندر مسلمانوں میں ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات کی تفتیش کے لئے جسٹس محمد منیر اور جسٹس رستم کیانی کی رپورٹ سے معلوم ہو پائے گا۔ وہ پاکستان حکومت کی طرف سے ہائی کورٹ کے ججوں پر مشتمل انکوائری کمیشن کے رکن تھے۔ عزت ماب ججوں نے اپنی رپورٹ میں بتایا ہے کہ "جب پاکستان کے اہم عالم حضرات گواہی دینے کے لئے پیش ہوئے تو ان سے سوال پوچھنے کے بعد معلوم ہوا کہ ان کی اسلامی حکومت یا اسلامی نظریہ حیات کی بابت ایک رائے نہیں تھی۔ ہرایک عالم نے مختلف خیالات کا اظہار کیا۔ اور ہر ایک فرقے کے کے عالموں نے دوسرے فرقے کے پیروکاروں کو گمراہ اور کافر قرار دیا"۔

جج حضرات کی یہ رائے تھی کہ "اگر ہم تمام علماء حضرات کی باتوں پر اعتبار کرتے ہیں تو کوئی بھی مسلمان راہ راست پر دیکھنے میں نظر نہیں آ رہا ہے"۔

مسلمانوں کے عقائد کا یہ حال ہے۔ جس کی بنیاد پر جداگانہ مسلم قوم تسلیم کی جاتی ہے۔ ہم اگر ان کے عملوں پر نظر کریں گے تو ان میں اس سے بھی زیادہ اختلافات نظر آئیں گے۔

ان حالات کے تحت اس کو عقیدے اور عمل کے یک وجودی پر بنی ہوئی نظریاتی قوم کہنا کس قدر صحیح ہو گا۔ یہ آپ صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں۔

مولانا عبیداللہ سندھی اس نقطہ نگاہ کے مدنظر فرماتے ہیں کہ:۔

ہندوستانی مسلمانوں کے ذہن میں ان کی "شخصیت" کی بہ نسبت ایک وہمی تصور موجود ہے۔ جس کا اگلی دنیا میں کوئی بھی وجود نہیں ہے۔ ہم کتنے ہی عرصہ سے ایک ایسی اسلامی جماعت کا نام لے رہے ہیں۔ جس کی بابت ہمارے ذہنوں میں

نہ کوئی صحیح نقشہ ہے اور نا ہی وہ دنیا میں کہیں موجود ہے۔ ہم نے خود کو ایک ایسی خیالی دنیا میں محدود کر دیا ہے۔ کہ نہ صرف ہم دوسرے مسلم ممالک کی تاریخ' ترقی اور آزادی کے لئے جدوجود سے غیر واقف رہ گئے ہیں۔ بلکہ خود ہمارے ملک میں ہمارے سامنے کوئی بھی مقررہ شدہ عملی نظریہ موجود نہیں ہے"۔

دوسرے تمام مسلم ممالک حالات سے مجبور ہو کر جغرافیائی اور زبان کی بنیاد پر قومی نظریہ قبول کر چکے ہیں۔ اور یہ نظریہ اسلامی تعلیم کے برعکس بھی نہیں ہے۔ اسلام عالمگیر مذہب ہے۔ اور تمام بنی نوع اس سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اور جدید قوموں کے وجود سے وہ بھی انکار نہیں کرتا۔ قوم' مفاد عام کے لئے اسی ملک میں زبان اور کلچر کے افراد کے اکٹھے ہونے کا فطری نتیجہ ہے۔

اہل تصوف کے وحدت الوجودی درویشوں اور مسلمان عالموں نے لوگوں کی موجودہ مذہبی تقسیم کو مصنوعی اور غلط شمار کیا ہے۔

علامہ عنایت اللہ مشرقی نے اپنی کتاب "تذکرے" میں اظہار کیا ہے کہ ان کی نظر میں ہر صالح انسان' چاہے وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو وہ مسلمان ہے۔ اور ہر غیر صالح انسان وہ کیوں نا موجود تقسیم کے موجب مسلمانوں میں شمار کیا جاتا ہے وہ غیر مسلم ہے۔

قرآن شریف کی یہ آیت اس کے لئے صاف ثبوت دیتی ہے۔

ان اللذین امنوا واللذین ھادوا والنصاری و الصائبین من امن باالله والیوم الاخر و عمل صالحا فلھم اجر ھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

ترجمہ:۔۔۔۔ "جنہوں نے ایمان لایا ہے (مسلمان) اور جو یہودی' نصار اور دوسرے مذہب کے ہیں' ان میں سے جنہوں نے خدا پر ایمان لایا ہے' مستقبل پر امید رکھتے ہیں۔ اور اچھے کام کرتے ہیں۔ ان کو خدا سے فائدہ ملے گا۔ اور خوف و خطر سے آزاد ہیں"۔

اسلام کا دین فطرت ہونے کے سبب اس کو ہم کس طرح چند لوگوں کی اجارہ داری بنا سکتے ہیں۔ جن میں ذاتی' غاصب' ظالم' منافع خور' مفاد پرست اور

استحصال کرنے والے شامل ہوں ان کو کس طرح برگزیدہ قوم کہا جا سکتا ہے؟ سندھ کے صوفی روحل فقیر نے ان باتوں کے مدنظر فرمایا ہے

كفر ۽ اسلام ۾، ٿا پيرون اٽا پير،
هڪ هندو، ٻيا مسلمان، ٽيو وچ وڌائون وير،
انڌن اونده ۾ لهي، ٿن کي سچ چوندو ڪير،
"روحل" راهه پرين ۽ جي، گهمي ڏٺوسون گهير،
ته رب مڙني ۾ هيڪڙو، تنهن ۾ فند نه فير،
سا ڪاڏي ڪندي پير، جا سٽي ڪعبته الله ۾!

کفر اور اسلام میں غلط راہیں متعین کرتے ہیں۔ ایک ہندو ہوئے دوسرے مسلمان۔ تیسرا انہوں نے آپس میں دشمنی کی۔ اندھوں کو اندھیرے کی کیا خبر ان کو سچ کون کہے گا۔ اے "روحل" محبوب کی راہ کا جب گھاٹ گھوم کر دیکھا۔ تو رب سب کا ایک ہے۔ جس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ کس طرف پاؤں کرے گی۔ جو کعبتہ اللہ میں سوئی ہوئی ہے۔

(iv) تمام نظریاتی جماعتیں (قومیں) جیسا کہ عیسائی یہودی' بدھ' مسلمان اور کمیونسٹ بین الاقوامی اصولوں کی حامل ہوتی ہیں۔ ان کے مفاد جغرافیائی حدود کے باشندوں سے متضاد ہونے کی حالت میں کوئی بھی جدید حکومت ان کو' اپنے ممالک کے سیاسی معاملات میں دست درازی کرنے نہیں دے گی۔ البتہ شخصی اعتقاد اور عبادت کے معاملے میں ہر ایک آزاد ہو سکتا ہے۔ اسی لئے ایسے نظریے قومیت کے سبب نہ صرف پاکستان کی مختلف قومیتوں کے مفاد کو نقصان پہنچتا ہے۔ بلکہ مذہب اسلام کے نام پر استحصال ہونے کے سبب نوجوان اور اہل علم رد عمل کے سبب مذہب سے متنفر ہونے لگے ہیں۔

(ii) پاکستان کی متحدہ قومیت کا تخیل

یہ اصول دنیا کے جدید قومی نظریہ کے تسلیم شدہ اصولوں کے مطابق ہے' اور

اس کی بنیاد' وطن' زبان' کلچر' روایات اور سیاسی اور اقتصادی مفاد پر ہے' یہ ہی نظریہ ہے جس کو قبول کرنے کے لئے قائد اعظم نے قیام پاکستان کے بعد اپنی پہلی تقریر میں تلقین کی تھی' اور اس کو قبول کرنے میں قدیم صوبائی قومیتوں کو کئی بھی اعتراض نہیں ہے اور نہ ہی اس سے مذہب کے رسوا ہونے کا کوئی بھی امکان ہے۔ لیکن اس پر مذہبی تخیل کے پیروکاوں کو یہ اعتراض ہے کہ پاکستان وطنی نقطہ نگاہ سے دو حصوں میں تقسیم ہے۔ یہ ایک دوسرے سے ایک ہزار میل دور ہیں اور اس میں سات سے زیادہ زبانیں مروج ہیں۔ مختلف صوبوں کے کلچر اور سیاسی اور اقتصادی مفاد الگ ہونے کے سبب' اس تخیل پر قوم کی بنیاد ہونے کے سبب' قومی اتحاد' مضبوط مرکزی حکومت اور سیاسی یک جہتی حاصل ہو نہ پائیگی' لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ اعتراض دنیا میں مختلف ممالک کی کسوٹی پر پرکھنے سے غلط ثابت ہو گا۔ کینیڈا' بھارت' سوئٹزر لینڈ' سوویت یونین اور چین وغیرہ ممالک کے مثال اس کے رد میں پیش کیے جا سکتے ہیں۔ ان کے مختلف صوبے ایک دوسرے سے ہزاروں میل دور ہیں۔ ان میں کثیر تعداد زبانیں بولی جاتیں ہیں۔ ان میں کتنے ہی کلچر اور روایات کے لوگ رہتے ہیں اور مقامی صوبوں کے سیاسی اور اقتصادی مفاد بھی مختلف ہیں۔ اس کے باوجود بھی وہ باہمی سمجھوتے سے طے شدہ "آئین کے مطابق ایک متحدہ قوم کے لئے کوشاں ہیں اور ایک یونین میں رہ رہے ہیں۔ ان میں سے کسی بھی ملک نے مذہب کو قومی عصبیت کی بنیاد نہیں بنایا ہے۔ اگر ہم اس کو گہری نظر سے دیکھیں گے تو معلوم ہو گا کہ مذہبی عصبیت کو قومیت کی بنیاد بنانا' عوامی حکومت کی طاقت کو کمزور کر کے' مختلف مذہبی فرقوں کے ملاؤں کو موقع فراہم کرنا کہ وہ ملکی سیاست میں دخل اندازی کریں۔ جو ہر بات میں قرآن اور حدیث کی اپنے اپنے نقطہ نگاہ سے معنے نکال کر کاروبار حکومت میں ملکی تقاضاؤں اور ضروریات میں رکاوٹیں پیدا کریں گے۔ پاکستانی قوم کے تخیل کو تقویت دلانے کے لئے مختلف صوبوں کی قومیتوں میں مندرجہ ذیل باتوں پر سمجھوتا ہوا لازمی امر ہے۔

1- صوبائی خود مختاری کا حق ہر ایک قدیم صوبہ کو دیا جائے

2- صوبائی زبانوں کو پرائمری سے اعلیٰ تعلیم تک تسلیم کر کے صوبائی سرکاری زبان کے طور پر کام لایا جائے۔

3- صوبائی زمینیں، نوکریاں، تجارت، کارخانوں وغیرہ اور اقتصادی معاملات میں مقامی لوگوں کو ترجیح دی جائے۔

4- مقامی کلچر اور روایات کی حفاظت اور ترقی کے لئے کوششیں کی جائیں۔

اور اس کے سات یہ بات بھی ذہن نشین کرنی ہے کہ ملکی اتحاد اور قومی یک جہتی کے لئے مرکزی اور صوبائی کاروبار کے لئے کچھ زبانوں کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

تمام پاکستانی قوم کی ترقی کے لئے باہمی رضا مندی سے منصوبہ بندی کرنی ہو گی، اس وقت نوجوانوں میں دہریت زور پکڑ رہی ہے۔ یہ مذہب کے نام پر کچھ طبقوں اور گروہوں کے استحصال کا رد عمل ہے۔ میں نے کچھ نوجوانوں سے اس کے رد عمل کے متعلق پوچھا تو اکثر یہ جواب ملا کہ اسلام اور مسلم قوم کے نام پر سندھیوں کا استحصال کیا گیا ہے اس وجہ سے ان دونوں سے متنفر ہیں۔

یہ رد عمل مذہب کے نام کو سیاسی مفاد کے لئے بے جا استعمال کرنے کے سبب ہوا ہے۔

(iii) لسانی وطنوں کی بنیاد پر علاقائی قومیت کا تخیل

یہ تخیل جدید قومی نظریہ کے مطابق ہے۔ جس کی بنیاد، وطن زبان، کلچر، روایات، کردار، سیاسی اور اقتصادی مفاد پر ہے، اس تخیل کے تحت، سندھی، پنجابی، بلوچ، بنگالی اور پختون قومیتیں، پاکستانی قوم کے لئے مواد ترکیبی پیدا کرنے والی قومیں ہیں۔ جنہوں نے کچھ تحفظات کی بنیاد پر، ایک متحدہ قوم بننے کا ارادہ کیا ہے۔

یہ اتحاد سویت یونین جیسی صورت اختیار کر سکتا ہے۔

میں اس بات سے باخبر ہوں کہ مندرجہ ذیل اسباب کی وجہ سے سندھیوں میں لامتناہی قوم پرستی کا رجحان بڑھ گیا ہے۔

1- ون یونٹ کا جبرا" قیام

2- سندھیوں کے حقوق، زبان، تجارت، زمین اور نوکریوں کے معاملے میں تحفظ نہ ہونے۔

3- اسلام اور مسلم قوم کے نام پر، سندھیوں کے جائز مطالبات کو علاقائی اور انتشار پیدا کرنے والی ذہنیت قرار دیکر، سخت رویہ اختیار کرنے کے سبب۔

سندھیوں میں جدید تخیل کے احساس کا پیدا ہونا اچھی بات ہے لیکن ہمیں یہ بات بھی ذہن نشین کرنی ہے کہ چھوٹے ممالک متحدہ ہو کر باہمی مفاد کے خاطر یونین کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔

مشرقی اور مغربی یورپ کے ممالک کی اتحاد کے لئے کوششیں اور عرب اتحاد، اور افریقی اتحاد کے لئے کوششیں اس جدید رجحان کے نتیجے ہیں۔ مفاد پرست اور کم فہم سیاستدانوں کی کوتاہیوں سے ناراض ہو کر "ہمیں عارضی نفع کے لئے اپنے گھر کو نہیں جلانا ہے"۔

سندھیوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے جدوجہد کرنے کے ساتھ ہمیں پاکستانی قوم کے مجموعی مفاد کو نظرانداز نہیں کرنا ہے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی ذہن نشین کرنی ہے کہ صرف سندھی قومیت کے نام لینے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ ہمیں اپنی خامیوں اور کمزوریوں کو دور کرنے کے لئے مندرجہ ذیل باتوں کو مد نظر رکھنا ہے۔

1- ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ سندھیوں میں کس قدر سندھیت کی بنیاد پر ہم خیالی اور ہم رنگی کا احساس پیدا کر پایا ہے۔

2- ہم مذہبی نظریہ قومیت ایمان نہیں رکھتے ہیں اور مذہب اور سیاست کو الگ رکھنے کے حامی ہیں تو بھی جوش ردعمل میں ہمیں مذہب کے بنیادی اصولوں پر جرح کر کے عوامی جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچانی چاہیے۔

3- باحیثیت حضرات کی مفاد پرستی، بزدلی اور ابن الوقتی نکالنے کے لئے کونسے راستے اختیار کر پائے ہیں۔

4- ہمیں تشدد سے دور رہنا چاہیے، کیوں نہ وہ تشدد ذہنی ہو یا جسمانی ہو شاہ لطیف نے فرمایا ہے کہ:-

اڳ اڳرائي جو ڪري، ڇطا سو ڪائي،

جو پہل کرتا ہے وہ نقصان میں جاتا ہے

قومی فلسفہ کے ماہر رینان کا کہنا ہے کہ :-

قومیت ہم رنگی کا نفسیاتی جذبہ ہے۔ اس جذبہ کے تحت صرف وہ ہی افراد خود کو ایک سمجھتے ہیں جو ایک قوم کے ہوتے ہیں۔

مجھے سندھیوں کی ہم رنگی اور ہم آہنگی میں مندرجہ ذیل رکاوٹیں نظر آ رہی ہیں۔

(i) بلوچ، سماٹ، سید، پیر، مہاجر، پنجابی، ہندو، مسلم، امیر اور غریب کے فرق۔

(ii) ہم زبان کا مسئلہ مکمل طور پر حل نہ کر پائے ہیں، سندھ میں صدیوں سے آباد لوگ ابھی تک گھروں میں بلوچی، پشتو، پنجابی اور سرائیکی بولتے ہیں۔ ہم ان کو ابھی تک مکمل طور پر سندھی زبان کی طرف مائل نہ کر پائے ہیں۔ علاوہ ازیں تازہ ہندوستان سے آئے ہوئے حضرات سندھی سیکھنے کے لئے تیار نہیں ہیں بلکہ ان میں سے کچھ حضرات تو اس کوشش میں ہیں کہ وہ سندھی کی جگہ پر اردو کو جبراً مسلط کریں۔ یہ ان کی کوشش تو کامیاب نہیں ہو پائے گی۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ پیار سے ان کو ذہن نشین کرایا جائے کہ جبراً کوئی بھی چیز دوسرے پر مسلط کرنے سے رد عمل پیدا ہونے کا امکان ہے۔

(iii) ہم شخصی اور طبقاتی مفاد کو، قومی مفاد پر قربان کرنے کا مادہ سندھیوں میں نہ کر پائیں ہیں۔

(iv) جدید قومی تخیل اور مذہبی قومی تخیل کے تضاد کو سمجھ کر اپنے ذہنوں کو صاف کرنے کے ساتھ ایک نقطہ نگاہ پر متفق نہ ہو پائے ہیں۔

ایسے حالات کے تحت ماحول کو سازگار بنائے بغیر، سندھیت کا نام لینا ایسے ہے جیسے جم غفیر خود کو منظم جماعت قرار دے۔ ہمارے سندھی نوجوان جب قومی شعور پیدا کرنا چاہتے ہیں تو انہیں یہ بات ذہن نشین کرنی چاہئے کہ کونسے قومی تخیل کے شعور کو پیدا کرنا چاہتے ہیں اور ہم رنگی کی راہ میں جو رکاوٹیں ہیں ان کو دور کرنے کے لئے کیا کرنا چاہتے ہیں ان کو سندھ کے تمام باسیوں جن میں آزاد خیال مہاجر بھی آجاتے ہیں سے تبادلہ خیال کر کے تالیف قلوب کے ذریعے باہمی مفاد کی بنیاد پر ہم رنگی اور ہم خیالی پیدا کرنی چاہئے۔

زبان کا مسئلہ البتہ کچھ وقت تک رکاوٹیں پیدا کرتا رہے گا جب تک کچھ

گروہوں کی سامراجی ذہنیت صحیح نقطہ نگاہ پر نہیں آتی ہے ہمیں اپنے پڑوسی دوستوں کو ذہن نشین کرانا ہے کہ مقامی معاملات کے لئے سندھی زبان کو علاقائی زبان کی حیثیت میں قبول کرنا ان کے لئے مفید ہے۔ جس طرح بین الصوبائی معاملات کے لئے سندھیوں کو اردو میں سیکھنے میں اعتراض نہیں ہونا چاہئے اس طرح مقامی معاملات کے لئے سندھی سیکھنے میں ہندوستان یا اور علاقوں سے آئے ہوئے حضرات کو اس میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے ورنہ ردعمل پیدا ہونے کا امکان ہے ردعمل میں انسان خدا کا بھی منکر ہو جاتا ہے۔

اس مسئلہ پر غور و فکر کرنے کے بعد میں آپ کو مندرجہ ذیل مشورہ دے رہا ہوں۔

1- ہمیں قائداعظم کے 11 اگست 1947ء میں پیش کئے ہوئے نظریہ کو قبول کر کے اس کا شعور پیدا کرنا چاہئے۔

2- ہم بیک وقت پاکستانی قومیت اور مسلمانوں کی علیحدہ نظریہ قومیت میں یقین نہیں رکھتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔

ہم ابھی تک پاکستانی قومیت کی راہ میں چند اقدام کر چکے ہیں' جیسا کہ:۔

(i) پاسپورٹ میں پاکستانی قومیت لکھانا۔

(ii) جداگانہ انتخابات کے سرشتہ کو' جو مسلمانوں کی جدا قومیت کا بنیادی نقطہ تھا اس کو چھوڑ چکے ہیں۔

(iii) دوسرے ممالک میں خود کو پاکستانی کہلاتے ہیں۔

ہمارے ذی شعور تعلیم یافتہ قومی کارکنوں کو' سندھیوں میں قومی شعور پیدا کرنے کے لئے مندرجہ ذیل طریقہ اختیار کرنے چاہئیں:۔

(1) ملک کے سیاسی معاملات سے الگ ہو کر' صرف کلچرل پرچار اور سماجی خدمت کے ذریعے' قومی شعور پیدا کرنا چاہئے۔

(2) ہر بات عدم تشدد کی بنیاد پر' تالیف قلوب اور دوستانہ ماحول میں طے کرنی چاہئے۔ عدم تشدد' جرآت اور ہمت پیدا کرتا ہے۔

(4) سندھیوں کے حقوق مانگنے سے پہلے' ان میں ہم رنگی' صلاحیت' اتحاد' خودداری اور قربانی کا مادہ پیدا کرنا چاہئے کیونکہ قومی بیداری اور اتحاد سے پہلے

حق طلبی، مستقل مفاد سے تصادم کروا کے ناکامی کا دروازہ کھولے گی۔

ہر بات میں جوش سے ہوش کو رہنما بنانا چاہئے تو یں ایک دن میں نہیں بنتی ہیں۔ اس کے لئے صبر و استقامت لامتناہی جدوجہد، قربانی صحیح تعلیم اور استقلال کی ضرورت ہے۔ شاہ لطیف فرماتے ہیں کہ:۔

هلندي هوت ڀنهونءَ ڏي، کهجن کي کوڙيون،
ڀهون تن ڀٽ ٿئي، جي لڙ لالڻ لوڙيون،
سب سهيليون مڪ کي، چنجهون ۽ چوليون،
ٻانهون ٿي ٻوليون، تہ ڪتا کائيني ڪيچ جا!
(شاهہ)

محبوب کی طرف جاتے ہوئے جن کے دل میں کھوٹ ہے وہ ہی سست ہو جاتی ہیں۔ جو محبوب کو تلاش کرتی ہیں ان کے لئے پہاڑ بھی ہموار میدان ہو جاتا ہے۔ سچے عشق کے معاملے میں تمام سیلیاں کم نظر اور کمزور دل نظر آرہی ہیں۔ اے سسی تو اس سفر میں پرزہ پرزہ ہو جا کہ تمہارا ماس کیچ مکران کے کتے کھا کر جشن کریں۔

نویں سندھ ثقافتی کانفرنس ''سن''
درگاہ سید حیدر علیہ ''سن''
16-15 اکتوبر 1969ء بدھ اور جمعرات

عزیز بھائیو!

یہ بزم صوفیائے سندھ کی نویں اور اس درگاہ پر دوسری کانفرنس ہے۔ اب کی تحریک سے وابستہ اور دلچسپی رکھنے والے حضرات اس بزم کے مقاصد سے باخبر ہو گئے ہوں گے۔ ان کی یاد تازہ کے لئے ان کو دہرا رہا ہوں۔

ہم نے وقت بہ وقت ظاہر کیا ہے کہ ہماری فکری رائے کے موجب، سندھیوں کی موجودہ پست حالی، تنزل اور غلامی کی وجہ ان کے جسم میں مندرجہ ذیل چار بیماریوں کی موجودگی ہے۔

1- مفاد پرستی۔
2- قومی شعور کی عدم موجودگی۔
3- نفرت اور نفاق۔
4- بزدلی اور بے ہمتی۔

ان امراض سے انہیں نجات دلا کر آزاد، ترقی پذیر، صحت مند اور صالح بنانے کے لئے، ان میں اخلاقی درستگی، نفسیاتی اصلاح اور صحیح تعلیم کی ضرورت ہے۔

ہمارے ساتھیوں نے مختلف مجالس میں مذکورہ بیماریوں کو دور کرنے کے لئے کچھ منصوبے اور تجاویز پیش کی ہیں۔

آپ حضرات میں اکثر اس سے باخبر ہیں کہ میرپور، بھورو، بھٹ شاہ اور ڈھرڈ کی کانفرنسوں میں نفرت اور نفاق کے اسباب اور ان کو دور کرنے کے لئے تجاویز کا ذکر

گیا تھا۔

نبی سر میں ناگوں کے میلہ پر سندھیوں میں پیدا شدہ بزدلی اور بے ہمتی کے اسباب بیان کر کے اس کو رفع دفع کرنے کے لئے مشورہ دیئے گئے تھے۔ اور ابن شاہ کی درگاہ نزد کوٹ ڈیجی میں' قوم کے مختلف مروج تخیلوں' عوام اور خواص کا اس کی بابت ذہن صاف نہ ہونا اور ان میں ہم رنگی' ہم خیالی اور یک وجودی کی عدم موجودگی کا بیان کر کے اتحاد اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے کچھ گزارشات پیش کی گئی تھیں۔

اس مجلس میں سندھیوں کی اہم بیماری "مفاد پرستی" کے اسباب اور اس کے نقصان دہ پہلوؤں کا ذکر کر کے اور اس کے الگ الگ مراحلہ کا ذکر کر کے اس سے آزاد ہونے کے طریقہ اور تجاویز پیش کروں گا۔

مفاد پرستی کی تشریح:-

علم اخلاق کے ماہروں نے اس کو انگریزی میں (Selfishness) اور اس کی ضد کو (Altruism) خدمت یا پراپکاری کہا ہے۔

مفاد پرستی کو نفسیاتی ماہروں نے خودی' (Egoism) کی پیداوار قرار دیا ہے۔

دونوں کے حق میں اور خلاف کافی دلائل دیئے گئے ہیں۔ ذی شعور حضرات کا کہنا ہے کہ انسان کا ہر عمل یا کرم وہ کیوں نہ سمجھے یا بغیر سمجھے کیا ہوا ہے وہ کوئی نہ کوئی نتیجہ برآمد کرتا ہے۔ جس سے خوشی یا غم' فائدہ یا نقصان ہوتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ "کرموں کا پھل ضرور بھگتنا ہے۔ اس لئے دانش مند حضرات نے خوشی اور فائدے پہنچانے والے عمل کو صحیح اور غم اور نقصان پہنچانے والے کرم کو غلط کہا ہے۔ گناہ اور ثواب اس خیال کے پیداوار ہیں۔ اس پر بھی عالموں کی دو آرائیں ہیں :-

1- کچھ کا کہنا ہے کہ ہر شخص کا روح مجرد ہے۔ اور اس کو اپنے ہر عمل کی سزا ملتی ہے وہ اکیلا آیا ہے اور واپس بھی اکیلے جانا ہے۔ ہر کوئی اپنے عمل کا کیا ہوا بھگتے گا۔ اس نقطہ نگاہ کے موجب ہر کسی کو اپنے نفع اور خوشی کے لئے کام کرنا ہے۔

2- دوسروں کا کہنا ہے کہ ہر شخص قوم اور بنی نوع کا جزو ہے جس طرح قطرہ سمندر کا جزو ہوتا ہے۔ ان کی خوشی اور غم ایک ہیں۔

"عشرت قطرہ ہے دنیا میں فنا ہونا"

شیخ سعدی علیہ نے فرمایا ہے کہ:-

بنی آدم اعضائی یک دیگرند' کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چویک عضوہ بدرد آورد روزگار ہم عضو ھارا نماند قرار

خلقت کے موجب بنی نوع کے جزو جوہر ہیں۔ ان کی حالت ایسی ہے جیسے ایک عضو کو درد ہوتا ہے تو تمام عضو بے قرار ہو جاتے ہیں۔

مذکور شدہ پہلی رائے سے مفاد پرستی کی تعلیم ملتی ہے اور دوسری رائے سے خدمت اور قربانی کی سکھیا ملتی ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو ہر مذہب' فلاسفی' علم' اخلاق اور علم نفس کی تعلیم' اس دو آراء میں تقسیم ہیں۔ اس کے باوجود بھی غور سے دیکھنے کے بعد مذکور شدہ علموں کے ماہروں کی اکثریت نے' اہم حیثیت کا حامل خوشی اور فائدے کو قرار دے کر اور صحیح سمجھ کر' ثواب میں داخل کیا ہے۔ اور شخصی فائدے کو جو مجموعی فائدے کے خلاف ہو غلط قرار دے کر گناہ میں شمار کیا ہے۔

اس مختصر تشریح سے ہم یہ نتیجہ اخذ کریں گے کہ مفاد پرستی غلط اور نقصان دہ ہے اور اس کا وجود جماعتی زندگی کے لئے بیماری کے برابر ہے کیوں نہ ہی کچھ عالم اور فلسفی اس کے جواز میں کتنے ہی دلائل پیش کریں۔

مفاد پرستی کی دو قسمیں ہیں۔

1- غیر شعوری مفاد پرستی۔

2- شعوری مفاد پرستی۔

بہتر یہ ہوگا کہ ان دونوں قسموں کی مفاد پرستی کی مختصر تشریح کر کے اس کے اسباب کا ذکر کریں۔

1- غیر شعوری مفاد پرستی

بنی نوع لاکھوں برسوں کی وحشیانہ زندگی گزارنے کے بعد موجودہ منزل پر پہنچا ہے۔ اس لئے اس میں ابھی تک کتنی ہی حیوانی صفات موجود ہیں۔ علم منطق کے ماہرین نے اس کو عربی میں "حیوان ناطق" (بولنے والا جانور) کہا ہے اس میں فطرت کی

طرف سے کچھ فطری جبلتیں یا بہتر وجدان پنہاں ہیں۔ جن کو ماہر علم نفسیات نے انگریزی میں (Instincts) کہا ہے اس کے کتنے ہی قسم بتائے گئے ہیں۔

1- حصول کا وجدان یا جبلت

2- بقاء نسل کا وجدان یا جبلت

3- خوف کا وجدان یا جبلت

4- خود نمائی کا وجدان یا جبلت

5- نفرت کا وجدان یا جبلت

مفاد پرستی' حصول جبلت سے پیدا ہوتی ہے جس میں گزر اوقات کے اسباب' معتبری' اقتدار' دولت' خود نمائی اور عورت کو ہتھیانے کی خواہش رہتی ہے۔ عام طور پر یہ خواہشات فطری ہونے کے سبب بے ضرر ہیں۔ لیکن انسان گن... (Animal) جماعت یا اکٹھے رہنے والے حیوانوں کی قسم سے ہے۔ اس لئے ج ان خواہشات کی تکمیل کے لئے جماعتی زندگی کے بنیادی مقاصد اتحاد' امن اور ترقی کے خلاف کام کرنے لگتا ہے تو یہ خواہش نقصان دہ ہو جاتی ہے۔

شدہ خواہشات مندرجہ ذیل طریقہ سے حاصل ہو سکتی ہیں۔

1- روٹی اور کپڑا وغیرہ کی ضروریات زندگی کو محنت مزدوری اور دوسرے بہتر طریقوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے اور چوری' ڈاکہ' ٹھگی' بے ایمانی اور طاقت اور جبر سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

2- عزت و وقار' اچھے اخلاقوں یعنی اعلیٰ جرات' اصول پرستی' عوامی ہمدردی' قربانی اور قوم پرستی کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے اور خوشامد' ابن الوقتی' لالچ اور مفاد پرستی کے ذریعے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔

3- نسل کو برقرار رکھنے کے لئے دنیا میں مروج اخلاقی قدروں کی بنیاد پر عورت حاصل کی جا سکتی ہے اور مروج اخلاقی قدروں کو پس پشت کر کے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

4- اقتدار ملکی اور قومی خدمت کے ذریعے بھی حاصل ہو سکتا ہے اور قوم فروشی' حکمرانوں کی دلالی اور خوشامد اور ہم وطنوں اور ساتھیوں سے بے وفائی اور غریبوں کے استحصال کے ذریعے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

جائیداد جس میں پیسہ' زمین' سکنی ملکیت' مویشی وغیرہ آ جاتے ہیں' وہ محنت' جفا کشی' ایمانداری اور کسی دوسری کو نقصان دیئے بغیر بھی حاصل کی جا سکتی ہیں اور چوری' بے ایمانی' جبر اور دوسرے ذرائع سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

حقیقی غیر شعوری مفاد پرستی وہ ہے جس میں فرد کو فائدے اور نقصان' صحیح اور غلط' جائز اور ناجائز کی خبر نہ ہو' اور اس میں ابھی تک تمیز کا مادہ پیدا نہ ہوا ہو۔ افراد کی یہ حالت وحشیانہ دور میں تھی جس کو طریقت کے رہبروں نے "نفس" امارہ کہا ہے۔

اب لوگوں کی اکثریت میں تمیز پیدا ہو چکی ہے جس کی وجہ سے ان کو مذکور شدہ پانچ خواہشات کے حاصل کرنے کے دونوں راستوں کا کچھ نہ کچھ معلوم ہے لیکن اس پر حیوانی جبلت اتنی اثر پذیر ہے کہ ان اشیاء کو حاصل کرنے کیلئے سہل اور آسان رستہ اختیار کر کے' اور مشکل' اصولی اور ایماندارانہ طریقے اور مجموعی فائدے اور نقصان کی پرواہ نہیں کرتے ہیں۔ اہل طریقت نے اس حالت کو "نفس لوامہ" کہا ہے اس لئے یہ افراد بھی حیوانی جبلت کے غالب ہونے کی وجہ سے غیر شعوری مفاد پرستی میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔

2- شعوری مفاد پرستی

دوسری مفاد پرستی کی قسم شعوری ہے جس کے مرتکب افراد' طبقے' جماعتیں اور حکومتیں ہوتی ہیں۔

مفاد پرست افراد اور طبقے

ان میں اہل علم' مذہب کے پیروکار' پارسائی اور پرہیزگاری کے دعویدار' صاحب طریقت بزرگ اور شریف خاندانوں کی اولاد سے بھی کتنے ہی شامل ہیں۔ وہ فائدے اور نقصان کی تمیز کرتے ہوئے بھی دانستہ طور پر شخصی فائدے اور طبقاتی مفاد کے لئے' آسان جلد اور عارضی ذرائع استعمال کرتے ہیں' اس مفاد میں نہ ان کو خوف خدا' نہ گناہ اور ثواب' نہ اخلاقی معیار' نہ بزرگوں کی روایات اور نہ ہی قبیلے' قوم اور ملک کے مجموعی فائدے اور نقصان کی پرواہ ہوتی ہے' اور نہ ہی ضمیر مجروح ہوتا ہے

اس کے سبب' چوری' ڈاکہ زنی' زنابالجبر' چوربازاری' ملاوٹ' ٹھگی' رشوت' کمزوروں کو دبانا' طاقت ور کی خوشامد کرنے' قوم فروشی' بدیسی دلالی نے اصولی' عارضی فائدے کے خاطر دائمی مفاد کو نظرانداز کرنے' روز مرہ کے کام ہو گئے ہیں نہ صرف یہ بلکہ اپنی سماج دشمن کارروائیوں' قوم فروشی کے کارناموں' بے اصولی اور بداخلاقی کے جواز میں ہر قسم کے دلائل اور عذر پیش کرتے ہیں' جن میں عقلی جواب' مذہب کی آڑ' سیاسی مصالحت اور فلسفیانہ دلائل جیساکہ تنازع للبقا اور بقاء اصلح کے نظریہ پیش کرکے' خود کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے سبب ان کی کثیر تعداد خود فریبی میں مبتلا ہو کر' ناجائز کو جائز' غلط کو صحیح' قوم فروشی کو مصلحت وقت' سماجی دشمن کاروایوں کو ہوشیاری دانشمندی اور جرات سمجھنے لگتے ہیں' کچھ تو حضرات مذہب سے مثال پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "خدا نے پانچوں انگلیاں برابر نہیں کی ہیں۔ اور "کچھ پاک ہیں اور کچھ پلید" "کچھ دوزخی ہیں تو کچھ بہشتی" "کچھ پسندیدہ تو کچھ ناپسندیدہ ہیں" اس لئے پہلا گروہ دوسرے پر ہربات میں تسلط حاصل کرنے کا حقدار ہے۔ نتیجتہ"

1- زمیندار کہنے لگا کہ لوگ مار دھاڑ کے سوا نہیں درست ہونگے' ان کو ٹھیک کرنے کے لئے حکام وقت کی خوشامد ضروری ہے۔ ہرکوئی اپنی نفسانفسی میں مبتلا ہے اور ایسے نظر آرہا ہے کہ دنیا قیامت کا میدان ہے۔ قومی آزادی' سندھی زبان' اصول اور مجموعی مفاد کی باتیں صرف الفاظ تھے۔ کون اس پر عمل کرتا ہے۔ وہ تو اس بات میں مبتلا تھا کہ اور کوئی حکام بالا سے سرخرو ہو کر اقتدار حاصل کرلے اور میں دھرا کا دھرا رہ جاؤں "پہلے اپنا پیٹ پھر کوئی دوسری بات" "خود کے سوا کسی دوسرے کو سمجھنا چڑیل کی بات' کے مثل مشہور ہے۔ ان کے کسانوں اور دوست احباب کے سبب حکام وقت میں کام پڑے رہتے ہیں۔ اس لئے خود دار بن کر رہنا اس کے روگ کی بات نہیں ہے۔

2- پیر صاحبان کہنے لگے کہ آباؤ و اجداد کی طرح ہم میں کرامت اور بزرگی نہیں ہے۔ لوگوں کے عقائد ہی اٹھ گئے ہیں۔ ابھی جو ہماری طرف مرید مائل ہیں' نذرانہ دیتے اور کہنا مانتے ہیں اس کا اہم سبب یہ ہے کہ حکام بالا پر ہمارا اثر و رسوخ ہے اور ہم ان کے کام کرا سکتے ہیں۔ اباؤاجداد کی طرح ہم لا طمع اور تارک الدنیا نہیں ہیں۔ ہماری کتنے ہی کام حکام بالا میں پڑتے ہیں۔ اس لئے ہم ان کو ناراض کر

کے' اصولوں یا سندھیوں کے مجموعی مفاد کی بات نہیں کر سکتے ہیں۔

3- تیسرے طرف سندھی ملازمت پیشہ حضرات کا کہنا ہے کہ ہمارے پاس کوئی خاندانی جائداد نہیں ہے' جو آمدنی ہے وہ ہی خرچ کرتے ہیں۔ ملک میں گرانی ہے اور تنخواہ پوری نہیں ہوتی۔ اولاد کی تعلیم اور رہنے' سہنے' اٹھنے' بیٹھنے' کا معیار بڑھ گیا ہے۔ ملازمت پر کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ اس لئے جب حیوانوں کو اپنے آئندہ کا خیال ہے۔ تو ہمیں بھی مجبورا" رشوت وغیرہ لے کر پوری کرنی پڑتی ہے۔ اور اسے کام کرنے سے حکمرانوں کی خوشامد لازمی امر بن جاتی ہے ہم میں کیا طاقت ہے کہ ان کی ناراضگی مول لے کر' اصولوں اور سندھیوں اور دوسرے ملک کے بہبود اور بہتری کے کاموں میں دلچسپی لیں۔ ہمیں البتہ اس بات کا کافی احساس ہے کہ سندھ کی جداگانہ حیثیت ختم ہونے سے ہماری اولاد کا مستقبل روشن نظر نہیں آ رہا ہے۔ لیکن حال کی کریں یا مستقبل کو لیں' اس لئے مجبورا" حال کو بچانے کے لئے مستقبل کے دائمی فائدے کو قربان کرنا پڑتا ہے۔

4- تاجر اور کارخانہ دار کا کہنا ہے کہ ہندوؤں نے برسا برس تجارت کرنے کے بعد لاکھوں کی جائیداد بنائی۔ ہم نے تجارت اور کار خانے مختصر لاگت سے شروع کیے ابھی مشکل سے کچھ زور پکڑا ہے۔ ہمیں بھی کتنی ہی مشکلاتیں درپیش ہیں۔ پرمٹ کا حصول' قیمت کا اُتار چڑھاؤ اور چندہ وغیرہ دینے اور معیار زندگی بلند ہونے اور اخراجات بڑھنے اور بڑے تاجروں' کارخانے داروں اور غیر ملکی مال کے مقابلے کے مسائل کا سامنا رہتا ہے۔ اور دوسری طرف نئے قوانین کی گرفت سے بچنے کے لئے مختلف طریقے اپنانے پڑتے ہیں۔ ہم تاجر لوگوں کا عوامی اور ملکی معاملات سے کیا واسطہ؟ ہماری زندگی کا فلسفہ نفع اور نقصان کی بنیاد پر تعمیر شدہ ہے۔ اسی لئے ہم ملک کے نام پر ایسا کام نہیں کریں گے جو ہمارے لئے نقصان دہ ہو۔

5- عوام غریب کمزور اور جاہل ہے روزگار کی تکالیف' مقامی مشکلات' وڈیرے کے دباؤ اور پیر اور ملاں کے زیر اثر دبے ہوئے ہیں۔ ان کو مجموعی اقتصادی مفاد اور زبان کے مسائل سے واقفیت ہی نہیں ہے۔ ان کے مسائل چوری شدہ مویشی اور اغواء شدہ عورت کو واپس کرانا' پیٹ بھرنا' رات دن کی محنت مزدوری اور باہمی اختلاف ان کو بڑے مسائل کی طرف خیال کرنے اور سمجھنے کے لئے فرصت ہی

نہیں دیتے ہیں۔

مفاد پرستی کی مذکور شدہ دو قسموں کی مختصر تشریح کرنے کے بعد ان کے مختلف مدارج کا ذکر کروں گا۔

مفاد پرستی مندرجہ ذیل مدارج میں تقسیم شدہ ہے۔

(1)۔ شخصی مفاد پرستی

(2)۔ طبقاتی مفاد پرستی

(3)۔ قومی مفاد پرستی

(1) شخصی مفاد پرستی کی تشریح اور اس کے اسباب

شخصی مفاد پرستی سے مراد ہے کہ کچھ چالاک، طاقتور، بے رحم، مطلق العنان (آمر) لوگ ذاتی فائدہ حاصل کرنے کے لئے جماعت، مذہب، ملکی قواعد و قوانین کی تمام حدود کو تہہ بالا کر کے دوسرے کا نقصان، آزادی اور حقوق اور مفاد کے خیال کو پامال کر کے شخصی فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ ان پر جماعتی دستور، شریعت، قانون اور درویشوں اور ناصحوں کی پرچار کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔ ان کے ان سماج دشمن کارناموں کے سندھ میں مجھے مندرجہ ذیل اسباب نظر آئے ہیں۔

(i) سندھ گزشتہ ہزارہا برس سے قبائلی دستور اور نظام کے تحت رہا ہے۔ جس میں کتنے ہی قبائل رہتے تھے جن پر سرداروں، وڈیروں، جاموں، جاموٹوں اور ملکوں کا اثر رہا ہے۔ قومی اور قبائلی دستور کو توڑنے کو قبائلی بے عزتی اور نظام کی انحرافی سمجھی جاتی تھی۔ اگر قبیلے میں کوئی بھی گناہ، قبیلے کے کسی بھی فرد سے سرزد ہوتا تھا تو اسی قبیلے کا نیک مرد یا جرگہ فیصلہ کرتا تھا۔ لیکن جب ایک قبیلے کا فرد دوسرے قبیلے کے کسی فرد کا گناہ کرتا تھا تو شکایت کرنے والا قبیلہ دوسرے قبیلے کے اہم افراد کو بین القبیلائی بنیاد پر جرگہ میں لانے اور فیصلہ کرنے کیلئے آمادہ کرنے کی کوشش کرتا تھا اور دوسرے قبیلے کی طرف سے مکمل حل نہ ملنے کی صورت میں قبیلائی بنیاد پر انتقامی اقدام اٹھاتا تھا۔

یہ دستور سماٹ قبائل کے دور حکومت کے خاتمے کے بعد صرف بلوچوں میں ہی رہ گیا۔ لیکن انگریز حکومت کے قواعد و قوانین رائج ہونے کے بعد کچھ مخصوص

علاقوں کے سوا یہ دستور اپنا اثر کھو چکے ہیں۔

(ii) دوسرا سبب یہ ہے کہ مذہبی شریعت کی پابندی کا اثر روز بروز مندرجہ ذیل اسباب کے سبب کم ہوتا جا رہا ہے۔

(ا) انگریز حکومت نے شرعی قانون کو معاشرے کے تبدیل شدہ حالات کے مطابق بے کار اور فرسودہ سمجھ کر اس کی جگہ لادینی قانون مغربی طرز پر رائج کیا۔ جس کو آزادی کے بعد نئی مملکتیں جاری رکھتی آئیں ہیں۔ یہ مندرجہ ذیل خامیوں کے سبب ملک میں امن و امان برقرار رکھنے اور سماجی خامیوں کو دور کرنے کیلئے کارگر ثابت نہ ہو پائیں ہیں۔

(a) انصاف دیر سے ملنا اور وقت اور پیسے کا ضائع ہونا۔

(b) انصاف مفت' اس سرزمین پر اور مقامی لوگوں کی مدد کے سوا مل نہیں سکتا ہے۔

(c) مختلف اسباب کے سبب مجسٹریٹوں میں ایمانداری نہیں رہی ہے۔

(ب) مذہبی پرچار کرنے والوں کی مذہب کے روحانی اور اخلاقی پہلوؤں پر رسمی اور عبادتی نقطے کو ترجیح دینے کے سبب مذہب افراد سے اپنا نفسیاتی اور اخلاقی اثر کھو بیٹھا ہے۔

(ج) صاحب حیثیت لوگوں میں خصوصا" مذکور شدہ کمزوریوں' مفاد پرستیوں اور بداخلاقیوں کے خلاف عام رائے پیدا نہ ہو پائی ہے بلکہ ان باتوں کو مروجہ سمجھ کر برداشت کیا جاتا ہے۔

(a) ظالم' بزدل' قوم فروش اور حکمرانوں کے دلال' زمیندار کی عام لوگ خوشی یا مجبوری سے تابعداری اور سمجھ دار لوگ مختلف اسباب کی وجہ سے مدد کرتے ہیں۔

(b) چور بازاری' ٹھگی' ملاوٹ کرنے والے اور بے انداز نفع خور تاجروں اور کارخانے داروں پر عام رائے' حکومت یا اخلاقی قدروں کا کوئی بھی اثر نہیں رہا ہے۔ وہ مسجدیں بنانے' چندہ دینے' مذہبی تہوار پر مذہبی تبلیغ کرنے والوں کی خوشامد اور حکومت وقت کو راضی رکھنے سے معتبر بنے پھر رہے ہیں۔

(c) بداخلاق' مفاد پرست' روحانیت سے خالی پیروں اور ملاؤں کی پیروکاری ابھی تک جاری ہے۔

(d) عام لوگوں میں مجموعی فائدے اور نقصان کا احساس ہم پیدا نہ کر پائے ہیں۔ لوگوں میں قومی ہم رنگی' بلند اخلاقی' یک جہتی اور جرات پیدا نہ ہو پائی ہے۔

2- طبقاتی مفاد پرستی

ترقی یافتہ ممالک اور قوموں میں بھی اس قسم کی مفاد پرستی عام طور پر مروج ہے۔ ہمارے ملک میں یہ پوری طرح رائج نہ ہو پائی ہے۔ زمیندار' کسان' مزدور اور کسب کرنے والوں کو طبقاتی بنیاد پر منظم کرنے کیلئے کتنے ہی رہنماؤں نے کوششیں کی ہیں۔ لیکن نہ ہی ان میں طبقاتی شعور پیدا ہو پایا ہے اور نہ ہی پوری طرح سے منظم ہو پائے ہیں۔ ہر قسم کی مفاد پرستی بری بات ہے لیکن شخصی مفاد پرستی سے طبقاتی مفاد پرستی بہتر ہے۔ اس کے مطابق اقتصادی بنیادوں پر شعور اور نظام پیدا ہونے لگتا ہے جو قومی شعور پیدا ہونے کیلئے سیڑھی کے طور پر کام آ سکتا ہے۔
سندھ میں اس قسم کے شعور میں ہمیں جو رکاوٹیں نظر آئیں ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(i) زمیندار شخصی مفاد پرستی میں اس طرح جکڑا ہوا ہے کہ اس کی توجہ طبقاتی مفاد کے بچاؤ کی طرف مائل نہیں ہو پائی ہے۔ علاوہ ازیں کسانوں میں زمینداروں کے خلاف طبقاتی بنیاد پر شعور اور اتحاد بھی پیدا نہ ہو سکا ہے۔ اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ باوجود کتنی ہی خامیوں کے زمیندار' کسان رہنماؤں سے کسانوں کیلئے زیادہ کار آمد ثابت ہوا ہے۔ کسانوں کے چوری شدہ مویشی واپس کرانے' بغیر کسی لاگت کے خانگی فیصلے کرنے' سرکاری افسروں کے ظلم سے کسی حد تک بچانے' چوروں سے حفاظت کرنے' مشکل وقت میں پیسے کی مدد کرنے' اغوا شدہ عورت کو واپس کرانے اور خوشی غمی اور مذہبی تہوار کے موقع پر سماجی تعلقات برقرار رکھنے کے سبب کسانوں کے لئے خاصہ کار آمد ہوتا ہے۔ دوسری طرف کسان رہنما سوائے کچھ مخصوص حالات اور مخصوص دائرے میں کسانوں کے روزمرہ کی مشکلات میں مدد دے نہیں سکتا۔ ایک تو ان کی تعداد کم ہے ان کا زیادہ زور نظریاتی پرچار پر ہے۔ اور خدمت خلق کے ذرائع انہیں میسر نہیں ہیں۔ اکثر کارکنوں کا علمی معیار بھی بلند نہیں ہے۔ وکلاء' طالب علم' ذی شعور

اور دولت مند حضرات کی کثرت تعداد کی اس میں دلچسپی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں کسان کارکن سیاسی باتوں میں زیادہ دلچسپی لینے کے سبب کسانوں کے معاملات حل کرنے کی طرف توجہ نہیں دے پائے ہیں۔ سیاست میں نظریاتی طور پر حصہ لینے کے سبب رنجش کا نشانہ اور کتنی ہی رکاوٹوں کے باعث بنتے ہیں۔

(ii) کارخانے دار اور مزدور بہ نسبت زمیندار اور کسان کے زیادہ طبقاتی شعور رکھتے ہیں اور منظم بھی ہیں۔ ان میں کارخانے دار زیادہ باشعور، منظم اور حکومت وقت کا منظور نظر ہونے کے سبب طاقت ور ہے۔ دوسری طرف مزدوروں میں صحیح لیڈر شپ، فنڈز کی کمی، سیاسی پارٹیوں کے استحصال اور مزدور جماعت کے کارکنوں کی سیاسی کاموں میں دلچسپی کی وجہ سے وہ پوری طرح منظم اور متحد نہ ہو پائے ہیں۔

3- قومی مفاد پرستی

ترقی یافتہ ممالک میں بھی اس نمونے کی مفاد پرستی پیدا ہوتی ہے جس کو شاؤنسٹ نیشنلزم کہا جاتا ہے۔ یہ مفاد پرستی یا تو سامراجی صورت اختیار کرتی ہے جیسا کہ انگلینڈ، پرتگال اور امریکی حکومتوں کا طریقہ ہے یا فاشیزم کی صورت اختیار کرتی ہے جس طرح جرمنی میں ہٹلر، اٹلی میں مسولنی، جاپان میں توجو اور سپین میں جنرل فرینکو کے زمانے میں رویہ اختیار کیا گیا تھا۔

ان بین الاقوامی رجحانات سے پسماندہ ممالک متاثر ہوئے ہیں۔ کہیں نسلی بنیاد پر قوم پرستی کے نام پر کچھ ہنگامی اور جذباتی بنیادوں پر عوام کی توجہ حقیقی مسائل سے ہٹا کر آمرانہ حکومتیں قائم کی جاتی ہیں اور کہیں مذہب کے نام پر لوگوں کو ورغلا کر ہنگامی اور جذباتی سامراجی بنیادوں پر لوگوں کی توجہ ان کے حقیقی مسائل سے ہٹا کر مخصوص گروہوں کے تسلط قائم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس وجہ سے ان ممالک میں تحریر، تقریر اور جماعت سازی ختم ہونے کے سبب عوام کی سیاسی مسئلوں میں دلچسپی کم ہو جاتی ہے۔

ان باتوں کو اخلاقی اصلاحات کرنے والے نفسیاتی مصلح اور قومی پرچار کرنے والے کو ذہن نشین کرنا ہے۔ ان باتوں کے مدنظر ہم نے سیاست عملی سے کنارہ کشی کر

کے پرچار اور اصلاح کا کام ہاتھ میں لیا ہے جس کو کلچرل تحریک کہنا بجا ہو گا۔

ہم اس مسئلے پر غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان نقائص سے قومی جسم کو بچانے کے لئے یہ تجاویز اور خیال بہتر ہیں:۔

(i) مخلص اور ذی شعور کارکنوں کا گروہ پیدا کیا جائے جو صاف ذہن' سیاسی خلفشار سے دور اور مذکور شدہ کاموں کی سرانجامی خاموشی سے کرتا رہے۔

(ii) ایسے کارکن اس بات سے باخبر ہیں کہ تپ دق کی بیماری جب تیسری مرحلے میں ہوتی ہے تو آدمی کا بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔

مندرجہ ذیل چند گروہوں کی اکثریت اسی مرحلے پر پہنچ پائی ہے اور ان کی اصلاح ناممکن ہے یہ "صم بکم عمی فہم لا یرجعون" کے مرحلے پر پہنچ چکے ہیں۔

اسی لئے ان کی اصلاح میں امید رکھنا مشکل ہے۔ زمیندار اور صاحب حیثیت افراد کی اکثریت ذاتی اقتدار' گروہی مقابلے بازی' شخصی مفاد' ابن الوقتی' بزدلی' لالچ اور احساس کمتری میں جکڑی ہوئی ہے۔ ان میں سے کافی حضرات ذاتی عیاشیوں اور حکمرانوں کی خوشامد کرنے کے سبب بے کار بن گئے ہیں۔

تاجر ضمیر کے مجروح ہوئے بغیر پیسہ اور جائیداد کی ہوس میں اتنا گرفتار ہیں کہ ان کو کسی بھی اخلاقی قدر اور سماجی بہبود کی پرواہ نہیں ہے۔ پہلے تاجر ایک روپے پر ایک آنہ نفع لیتے تھے لیکن اب روپے پر روپیہ لیتے ہیں۔ اشیاء میں ملاوٹ چور بازاری اور سمگلنگ یہ تمام باتیں ان کے لئے جائز ہیں۔ تعجب یہ ہے کہ باوجود ان باتوں کے وہ اسلام کی آڑ لیتے ہیں۔

یہ سماج دشمن عرس اور گیارھوں شریف منانے اور مساجد بنانے' ملاں اور مولویوں کی پرورش کرنے اور درگاہوں کو سنگھارنے سے کفارہ دینے کو کافی سمجھتے ہیں۔

کارخانہ دار کا تقریباً یہی رویہ ہے حکام وقت سے مختلف بہانوں کے ذریعے ملکی صنعت کو بڑھانے اور غیر ملکی آنے والے مال کی مقابلے بازی بند کرا کے مقامی طور پر تیار شدہ چیز کو دوگنی قیمت پر بیچنے کے سبب کروڑ پتی بن جاتا ہے۔ اکثر یہ جمع شدہ ملکیت کارخانے بڑھانے عالی شان بنگلے بنانے اور دیگر عیاشیوں پر خرچ کرتے ہیں۔ ان کو یہ احساس نہیں ہوتا ہے کہ ان کی اس پالیسی کے سبب غریب روز بروز مزید خستہ حال ہوتا جا رہا ہے اور ان لوگوں کو سمجھانا بھی بڑا دشوار کام ہے۔

اسی لئے ہمارے کارکنوں کی توجہ طالب علموں، اساتذہ، وکلاء اور دیہاتی لوگوں کو مفاد پرستی کے نقصانات کے سمجھانے، ایثار اور قربانی کے فائدوں، قومی ہم رنگی، ہم خیالی، اور یک جہتی کے لئے تعلیم اور تربیت کی طرف ہونی چاہیے۔

شاعری ادب، موسیقی، ڈراموں اور مجالس کے ذریعے صوفیائی درس دیے کر، حب الوطنی، قربانی، جرات اور محبت پیدا کی جائے۔ سیاسی خلفشاروں، تشدد، نعرہ بازی اور حکومتی مخالف کاروائیوں سے دور رہ کر کلچرل محاذ پر قومی تعمیر اور بیداری کے لئے کام کرنا چاہیے۔

ابھی کارکنوں کی کمی کی وجہ سے سیاسی کارکنوں کا اس تحریک میں حصہ لینے پر بندش ڈالنا خلاف مصلحت سمجھتے ہیں لیکن یہ بات صاف سمجھنی چاہیے کہ آگے چل کر ہمیں صرف کلچرل محاذ سے واسطہ رکھنے والے کارکنوں نے کام کرنا ہے۔

ہمارا فرض منصبی صرف قوم کی تعلیمی پرچار کرنے اور اصلاحی اور سماجی ترقی کے لئے خدمت کرنے کا ہے۔

غلام مرتضیٰ

دسویں سندھ ثقافتی کانفرنس حضرت قلندر لعل شہباز کے سالانہ عرس کے موقع پر 19 شعبان بمطابق یکم نومبر 1969ء افتتاحی خطبہ جناب جی۔ ایم۔ سید

عزیز بھائیو!

آپ میں سے جن بھی حضرات نے بزم صوفیائے سندھ کی کانفرنسوں میں شرکت کی ہے یا اس کے خطبے پڑھے ہیں وہ اس بات سے باخبر ہوں گے کہ کانفرنسیں کن مقاصد کے لئے منعقد کی جا رہی ہیں۔

آپ کی یاد دہانی کے لئے اس سلسلے کی پہلی کانفرنس جو ٹھٹہ میں درگاہ عالی شاہ شیرازی کے عرس کے موقع پر ہوئی تھی اس پر کئے ہوئے اظہار خیال کو دوہرا رہا ہوں۔

"انسانی زندگی کے کاروبار کے تین اہم شعبے ہیں۔ جن کے فرائض کو معلوم کر کے ان کے مختلف مسائل کے درمیان تمیز پیدا کرنا ضروری ہے"۔

1- مذہبی شعبہ

2- سیاسی شعبہ

3- طریقت یا کلچرل شعبہ

ان تینوں شعبوں کی مختصر تشریح کرنے کے بعد میں نے ان کے مقاصد پر روشنی ڈالی تھی اور اس بات کا اظہار کیا تھا کہ انسانی زندگی کو مکمل طور پر چلانے کے لئے

ان تین شعبوں کا صحیح طور پر چلانا نہایت ہی ضروری ہے۔
اگر غور سے دیکھا جائے تو حقیقتاً" زندگی کی کاروباری عمارت کے یہی تین شعبے ستون ہیں۔ جن میں ایک کے غیر استوار یا ٹیڑھے ہونے کے سبب کاروبار زندگی صحیح چل نہ پائے گا۔
اس لئے بہتر ہو گا کہ مذکور شدہ تینوں شعبوں کا مختصر ذکر کر کے' ان کے مقاصد اور طریقے کار پر روشنی ڈالوں۔

1- مذہب

غور سے دیکھا جائے تو لوگوں میں محبت اور اتفاق' امن اور سلامتی بہتری اور بہبود کے لئے جو راہیں' طریقے اور تجاویز سوچیں یا منصوبہ کی گئی ہیں ان میں مذہب کو اہم حیثیت حاصل رہی ہے۔ دنیا کے عالمگیر مذاہب حالانکہ بنیادی طور پر لوگوں میں محبت اور امن کے سبق سکھانے اور ان کی فلاح و بہبود کے لئے ایجاد کئے گئے تھے لیکن تجربے سے یہ ثابت ہوا ہے کہ اکثر شخصی اور گروہی مقاصد اور طبقاتی مفادات کے لئے کام لائے گئے ہیں۔ اس کے سبب جن ارادوں سے ایجاد کئے گئے تھے وہ حاصل نہیں ہو پائے ہیں۔ اس وقت دنیا میں چار عالمگیر مذاہب ہیں جیسے کہ:۔

1- ہندو دھرم
2- بدھ مت
3- عیسائیت
4- اسلام

جن میں سے ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ راہ حق صرف ان کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ قطع نظر دوسرے مذاہب کے تاریخ اسلام اور اس کی موجودہ ترکیب پر نظر کی جائے تو معلوم یہ ہو گا کہ یہ بھی باوجود اس دعوے کے' کہ وہ مکمل نظریہ حیات کا حامل ہے' اس کے پیرو کار کسی بھی ایک وحدت خیال اور عمل پر متفق نہیں ہو پائے ہیں۔ اور سینکڑوں فرقوں میں تقسیم ہو کر ایک دوسرے سے دست بگریباں نظر آ رہے ہیں۔ ان کو متحد کرنے کے لئے کتنی ہی کوششیں ہوئی ہیں۔ لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا ہے۔ کچھ اولیائے کرام نے مسلمانوں کے مختلف گروہوں کو ایک مالا میں

پرونے کی کوشش کی ہے اور کچھ نے تو ایک قدم آگے بڑھ کر ملک میں رہنے والے اہم مذاہب کے درمیان اتحاد پیدا کر کے عوام کی کاروباری زندگی کو آسان بنانے کی کوشش کی ہے۔ ان میں سے "حضرت قلندر لعل شہباز" جس کے سالانہ عرس پر ہم اکٹھے ہوئے ہیں' ایک اہم بزرگ ہیں۔ یہ صاحب جب اس شہر میں آئے تھے تو یہ اس وقت "شیو دھرم" کا اہم مرکز تھا۔ مسلمان برائے نام اس میں موجود تھے اور یہ کتنی ہی خرابیوں کا اڈہ تھا۔ لیکن قلندر لعل شہباز نے اپنی آمد کے بعد اتحاد بنی نوع کے نقطہ نگاہ سے ایسا رویہ اختیار کیا جو دونوں مذاہب کے پیروکاروں کے دلوں پر سکا جما دیا۔ ہندو اس کو راجا "بھرتھری" کا اوتار کر کے ماننے لگے اور مسلمان نے ان کو دین فطرت کا پیغام پہچانے والا سمجھ کر پیروی کرنے لگے۔ جس صورت میں وہ نہایت ہی بڑی عمر میں آئے تھے اور زیادہ عرصہ زندہ رہ نہ پائے لیکن ایک سال کے مختصر عرصہ میں جب انہوں نے وفات پائی تو ہندوؤں نے ان کو اپنے اہم مندر میں دفن کرنے کی اجازت دی اور "شیو" کے تمام پجاری حضرت قلندر لعل شہاز کے ملنگ بن گئے۔

رواداری کا یہ عالم ہے کہ اس کے ملنگ ابھی تک کتنی ہی قدیم رسوم برقرار رکھتے آئے ہیں۔ جو اکثر "شو" کے پجاریوں میں مروج ہیں جیسا کہ:

(i) نفیل بجانا جو شمال ہند میں شیو کے مندروں میں ناد یا ناقوس کے عوض بجائی جاتی ہے۔

(ii) صبح و شام کے نقارے اور گھنٹے اور نفیلیں بجائی جاتی ہیں جس کا رواج ابھی تک "شیو" کے مندروں میں جاری ہے اس کو آرتی کہا جاتا ہے۔

(iii) ملنگ داڑھی منڈوا کر مہر لگواتے ہیں اور چرس بھی پیتے ہیں۔ جو دستور ابھی تک "شیو" کے پجاریوں میں جاری ہے۔

(iv) میلے کے موقع پر نقاروں پر دھمال کا رقص بھی ان رسومات میں سے ایک ہے۔

(v) درگاہ کے دروازوں پر بڑی گھنٹیا ٹانگی ہوئی ہیں۔ وہ "شیو" مندروں کے دروازوں پر ٹانگی ہوئی گھنٹیوں کی یاد تازہ کرتی ہیں۔

ناصرف حضرت قلندر لعل شہباز کی تعلیم سے ایسی مثالیں ملتی ہیں بلکہ حضرت

شاہ عنایتؒ، شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ اور سچل سرمست کی تعلیم اس کی زندہ مثال پیش کرتے ہیں۔ جن کی درگاہیں ہندو اور مسلمان کے لئے ابھی تک مرجع عام ہیں۔

لیکن مسلمانوں میں پیدا شدہ فقہی اختلافات کے سبب ان بزرگوں کے دیئے ہوئے پیغام کو لوگوں تک پہنچنے نہیں دیا گیا۔ ابھی تک ہمارے علماء کرام باوجود اسلام کی سربلندی قائم کرنے کے بلند دعوؤں کے' بقائے باہمی اور رواداری کے اصولوں کے تحت ایک پلیٹ فارم پر جمع نہ ہو پائے ہیں۔ شیعہ اور سنی' بشری اور نوری' وہابی اور بریلوی کے فرقوں میں ایک طرف' تو جماعت اسلامی' جمیعت العلماء اسلام اور دوسرے گروہوں میں تقسیم ہیں۔

آج جب دھریت کے بڑھتے ہوئے سیلاب سے متاثر ہو کر' پوپ پال نے عیسائیوں کے اہم فرقوں جیسا کہ رومن کیتھولک' گریک چرچ' پراٹسٹنٹ اور سینکڑوں فرقوں جن کے اختلافات اتنے وسیع تھے کہ وہ ایک دوسرے کو آگ میں پھینک کر اور دوسرے کئی عذاب دے کر قتل کراتے تھے۔۔ کو متحد کرنے کے لئے تحریک چلا رہے ہیں اور ہمارے علماء ایک دوسرے پر کفر کے فتوے دے رہے ہیں یہ انتہائی افسوس ناک بات ہے۔

میں نے بھی ایک بزرگ کے سجادہ نشین ہونے کے ناطے ان حالات کو دیکھ کر' درویشوں کی درگاہوں کو اتحاد اور امن کا مرکز بنا کر' میلوں کو منظم کر کے بزم صوفیائے سندھ کے اجلاس منعقد کرانے شروع کئے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں ہے کہ ان کوششوں کو کتنی اہمیت ملے گی۔ جب علماء کرام ایک دوسرے کی آواز سننے کے لئے تیار نہیں ہیں تو مجھ جیسے ناچیز کا ان پر کیا اثر ہو پائے گا' اس کا علم نہیں۔ لیکن دنیا امید پر قائم ہے۔ امید ہے کہ کوئی زمانہ آئے گا کہ وقتی حالات ان کو کچھ بنیادی اصولوں پر متحد کرنے کیلئے آمادہ کریں گے۔

2- سیاست

میں نے جب 1919ء میں سیاست میں حصہ لینا شروع کیا تو اس وقت تحریک آزادی ہندوستان اور تحریک خلافت برسرے عام تھیں۔ میرے سیاست میں شامل ہونے کے محرک جذبے' خدمت خلق' رفاع عامہ' ملک کی آزادی اور عوام کی بہبود

تھے۔

اسی ارادے سے ملک کی کتنی ہی جماعتوں اور اداروں کے ذریعے خدمت کرتا آیا ہوں اور کتنی ہی تحریکوں میں حصہ لیا۔ 1958ء تک میں سرگرم کارکن تھا۔ انسان خطا کا پتلا ہے۔ لیکن اپنی وسعت فہم کے موجب سیاست میں حصہ لیتا رہا۔

دور ایوبی کے عشرے کے اندر جیل اور نظربندی کے سبب ایسے حالات پیدا ہوئے کہ میں نے فیصلہ کیا کہ زندگی کا باقی حصہ طبیعت کی کمزوری اور عمر کے تقاضے کے سبب سیاست ملک کے خلفشاروں سے خود کو آزاد کر کے، لکھنے پڑھنے، تزکیہ نفس اور صحیح تعلیم کی جستجو کی طرف صرف کروں۔ لیکن ایوبی دور کی بدعنوانیوں نے جب عوام میں انقلاب برپا کیا اور حالات تبدیل ہونے لگے تو کتنے ہی قومی کارکن سیاست دان اور نوجوان ورکر میرے پاس آئے اور ترغیب دی کہ ملک اور قوم کے اس نازک دور میں، میں گوشہ نشینی کی زندگی گزاروں، یہ فرض کی ناشناسی اور جذبہ فراریت ہو گی۔ اسی لئے عارضی وقت کے لئے میں ان کی خدمت کے لئے میدان عمل میں آیا۔

9 مارچ 1969ء کو اینٹی ون یونٹ کانفرنس کے موقع پر جو الفاظ میں نے استعمال کئے تھے وہ کتنی ہی تقاریر اور تحریروں میں دھرانے کے سبب، یہاں باعث طوالت دوبارہ ان کا اظہار نہیں کر رہا ہوں۔

اس مجلس میں سندھ کے ہر گروہ کے نمائندے حاضر تھے ان کے اسرار پر میں نے صدر بننا قبول کیا۔ اس وقت میں نے اظہار کیا تھا کہ ون یونٹ کو توڑنے، صوبوں کی بحالی اور عوامی خوشحالی کیلئے بلاامتیاز تمام شخصیتوں، گروہوں اور پارٹیوں کے تعاون کی ضرورت ہو گی۔ اسی لئے آگے چل کر اس جماعت کو "سندھ متحدہ محاذ" بنایا گیا۔ یہ وزن سر پر تو لیا لیکن بقول حافظ شیرازی

"عشق آسا نمود اول ولی افتاد مشکل ہا"

عشق نمودار تو آسان ہوا لیکن یہ تو بڑی مشکل بات تھی۔

کی طرح اس مجلس میں جو حضرات حاضر ہوئے ان کے اور دوسروں کی طرف سے ایسی مشکلات درپیش آئیں کہ جن پر مفصل روشنی ڈالنا ضروری ہو گیا ہے۔

بہتر یہ ہے کہ اس سے پہلے اس سوال کا جواب [illegible]ں کہ بزم صوفیائے سندھ کا ایسے فروعی مسائل سے واسطہ کیوں ہونا چاہئے۔ ہماری بزم صوفیائے سندھ کی مجالس

میں جو حضرات شریک ہوتے چلے آئے ہیں ان کو معلوم ہے کہ ان مجالس میں سندھ کی تہذیب، زبان، آزادی پیغام کا ذکر ہوتا آیا ہے۔

"حب الوطن من الایمان" ہماری مشعل راہ رہی ہے یہ محاذ جیسا کہ سندھ کی آٹونامی کے لئے برپاشدہ ہے جس کے ذریعے ہی اس کے کلچر، پیغام اور فرخندہ حالی اور ترقی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لئے اس مسئلے پر بحث کرنا اس کے بنیادی مقاصد کے خلاف نہیں ہے۔

1- کارکنوں کے انتخاب کا مسئلہ

ہمارے سامنے نوجوان گروہوں کی طرف سے ایک سوال پیش کیا جاتا ہے کہ ہم اپنی تحریک میں بہترین قومی کارکن شامل کریں اور کچھ داغدار سیاسی کارکنوں کو اس میں شامل نہ کریں۔ یہ ایک اہم اصولی سوال ہے جس پر بحث کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

(i) بہترین قومی کارکنوں کی صفات کون سی ہونی چاہئیں۔

(ii) داغدار سیاستدان شمار کرنے کیلئے کون سی حدود اور شرائط مقرر کی جائیں۔

(ا) کیا اس کے لئے کوئی عمر کی حد مقرر کی جائے؟

(ب) کیا شخصی اخلاقی معیار بھی مقرر کیا جائے؟

(ج) اس کی گزشتہ روایات اور سیاسی کردار کی تفتیش کی جائے، اگر ہاں تو کون کرے؟

(د) کیا اس کے لئے مذہبی عقائد کا معیار بھی مقرر کیا جائے؟

(ر) کیا اس کے سیاسی اور اقتصادی نظریات کو بھی اس کے انتخاب میں دخل ہو؟ اگر ہاں تو وہ کون سے ہوں اور کون سے نہ ہوں۔

(ڑ) اس میں جوش اور جذبہ زیادہ ہونا چاہئے یا ہوش اور تدبر کا ہونا بھی ضروری ہے۔

(ز) کیا وہ پیسے، ذاتی اور خاندانی تعلقات اور پیر اور ملا کی صفات سے خالی ہو؟

(ژ) مذکور شدہ کچھ خاصیتوں میں سے کسی میں کچھ خاصیتیں ہوں اور کچھ میں عدم موجود ہوں تو اس حالت میں فیصلہ کرنے والی طاقت کون ہو۔

(س) ممکن ہے کہ کچھ حضرات کہیں کہ عوام اس کا فیصلہ کرے اور اس فیصلے کے لئے ہر کارکن کا ریفرنڈم کرایا جائے یا دوسرا راستہ اختیار کیا جائے اگر ہاں تو وہ کون سا؟

مذکور شدہ مسائل پر غور کرنے سے پہلے اس بات کا بھی فیصلہ کرنا ہے کہ جب قوم ملک کی آزادی کی جدوجہد کے لئے' تعداد میں زیادہ دانشمند' طاقتور' مال دار' اور قابض مخالف کے مقابلے میں زندگی اور موت کے مرحلے پر ہو تو اس وقت ایسے انتخاب کرنے کے بعد کتنے افراد بچیں گے جو جنگ آزادی میں حصہ لے پائیں گے؟ علاوہ ازیں اس کے ساتھ یہ بھی فیصلہ کرنا ہو گا کہ جب اس مقصد کا حصول آئینی ذریعے اور جمہوری طریقے سے کرنا ہے تو ہر ایک ووٹر کی ضرورت پڑے گی ان کے تعاون حاصل کرنے کیلیئے یہ انتخاب کس قدر کارگر ثابت ہو گا؟

اس مسئلے پر میں غور کر کے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ دنیا کے کسی بھی حصے میں اس پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ ہم تو کتنے ہی ترقی یافتہ ممالک سے پیچھے ہیں۔

2- داغدار سیاستدان شمار کرنے کے لئے کون سے حدود اور شرائط مقرر کئے جائیں؟

(ا) داغدار سیاست دان اس کو شمار کیا جائے جو بداخلاق' راشی' زانی اور شرابی ہو۔

(ب) داغدار سیاستدان اس کو شمار کیا جائے جو ہر دور میں ہر حکمران کا حاشیہ بردار رہا ہو۔

(ج) داغدار سیاستدان اس کو شمار کیا جائے جو دولت مند' حصول املاک کا طالب اور ظالم ہو۔

(د) داغدار سیاستدان اس کو شمار کیا جائے جو جمہوریت کے دشمنوں کا حامی' مداح اور ثناخواں رہا ہو۔

(ر) داغدار سیاستدان اس کو شمار کیا جائے جس نے شخصی مفاد کی خاطر پارٹیاں تبدیل کر کے فائدہ حاصل کیا ہو۔

(ڑ) داغدار سیاست دان اس کو شمار کیا جائے جس کا ملکی آزادی' سندھ کی

بمبئی سے جدائی اور قومی تحریکوں سے واسطہ نہ رہا ہو۔

(ز) واغدار سیاست دان اس کو شمار کیا جائے جس نے کراچی کو سندھیوں کی عام رائے کے خلاف مرکز کے حوالے کیا ہو یا حوالے کرنے والے وزیروں کا حامی یا پیروکار رہا ہو۔

(ژ) واغدار سیاستدان اس کو شمار کیا جائے جس نے الیکشن میں دھاندلیاں کی ہوں اور بانی پاکستان کی ہمشیرہ کے خلاف ایک غاصب کی حمایت کی ہو۔

(س) واغدار سیاست دان اس کو شمار کیا جائے جس نے ون یونٹ قائم کرنے کے لئے سندھ اسمبلی میں ووٹ دیا ہو۔

(ش) واغدار سیاستدان اس کو شمار کیا جائے جو ون یونٹ بنانے اور اس کو قائم رکھنے والے ایوب خان کا" ضمیر کے مجروح ہونے کے سوا آٹھ سال تک حاشیہ بردار رہا ہو؟

(ص) واغدار سیاست دان اس کو شمار کیا جائے جو پیران طریقت' علماء کرام اور قومی کارکنوں کے خلاف بدشد بولتا ہو۔ باوجود اس کے کہ وہ عیبوں سے بھرا ہوا ہو اور خود کو میاں مٹھو کہلائے۔

مذکور شدہ خامیوں میں سے کسی میں ایک اور دوسرے میں دوسری ہو تو اس حالت میں فیصلہ کون سی خامیوں کی بنیاد پر کیا جائے اور کون کرے؟ اس کے لئے ریفرنڈم بھی کرایا جائے گیا۔

آج کل کتنے ہی حضرات ایوب خان کی بدکاریوں کے خلاف کیس چلا کر سزا دینے کیلئے زور دے رہے ہیں۔

دوسرے وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ قانون اور اخلاق کا تقاضہ یہ ہو گا کہ اہم مجرم کو سزا دینے کے ساتھ اس کے حمایتیوں' اکٹھے کام کرنے والے پیروکاروں' مداحوں' پرمٹیں حاصل کرنے والوں اور شکار کرا کر فائدہ حاصل کرنے والوں کو بھی سزا دی جائے۔

ان حالات کے تحت مصلحت وقت اور تقاضائے حالات یہ ہے کہ پہلے کے لیڈروں کو چھیڑنے کے بجائے اہم مقصد کی خاطر تمام کو ایک مرکز پر جمع کر کے' ون یونٹ کو تڑوا کر صوبے بحال کرانے چاہئیں۔ یہ بات کس قدر صحیح ہو گی کہ کچھ افراد کو

باوجود ان کے اچھے کاموں کے کسی خاص گناہ کی پاداش میں مجرم قرار دے کر باہر پھینک دیا جائے اور مخالفوں کو موقع دیا جائے کو وہ ان کو استعمال کریں اور کچھ خاص حضرات کو باوجود ان کے عیبوں اور بدکرداریوں اور جمہوریت کے دشمن کے حامی ہونے کے امام انقلاب' فخر ایشیا وغیرہ کے القاب دے کر برداشت کیا جائے۔

اگر مذکور شدہ بنیادی اصولوں پر فیصلہ کرنا ہے تو سندھ کے موجودہ سیاستدانوں میں سے کافی حصہ ننگا نظر آئے گا۔

ملڪ مڙوئي منصور، ڪهي ڪهندين ڪيترا!

تمام ملک منصور ہے۔ کس کو قتل کر کے کس کو قتل کرو گے۔

2- سیاست ملک میں وسائل اور سیاسی اثر کی اہمیت

یہ بات نظر انداز کرنا درست نہ ہو گی کہ عوام پر ابھی تک پیروں' مولویوں' زمینداروں' دولت مندوں اور بااثر افراد اور نوکر شاہی کا خاصا اثر ہے۔ ہمارے قومی کارکنوں نے زندگی کا خاصا حصہ ان اثرات کو زائل کرنے کیلئے صرف کیا ہے اور تازہ نوجوانوں نے اس سلسلے میں جو کام کیا ہے وہ قابل ستائش ہے۔ لیکن ملکی حقائق سے منہ موڑنا بڑی غلطی ہو گی۔

آئین ساز اسمبلی کے انتخابات ڈیڑھ سال کے اندر ہونے والے ہیں جس میں سندھ کے مستقبل کا فیصلہ ہونا ہے۔ ہماری عوام میں سیاسی شعور پیدا نہیں ہو پایا ہے کہ بہترین قومی کارکنوں' مخلص اور تعلیم یافتہ افراد کو آئندہ کے الیکشن میں منتخب کرا سکیں۔ بدقسمتی سے قومی اخلاق' اخلاص' پیسہ' اثر اور پروپیگنڈہ کے وسائل ان حضرات میں موجود نہیں ہیں۔ ماسوائے چند قومی کارکنوں اور مخلص نوجوانوں کے' پہلے کے سیاستدانوں میں سے کوئی بھی مذکور شدہ کسوٹی پر پورا نہیں اترے گا۔ ہم پہلے بھی تجربہ کر چکے ہیں۔

شیخ عبدالمجید سندھی' قاضی فیض محمد' حیدر بخش جتوئی' غلام محمد خان لغاری وغیرہ جیسے کارکن' واغدار مخالفوں کے ذریعے عوام میں سیاسی بیداری کی عدم موجودگی کے سبب شکست کھا چکے ہیں۔ نوجوان طالب علموں کی اکثریت سیاست میں دلچسپی نہیں

رکھتی ہے۔ جو حصہ لیتے ہیں وہ ابھی تک اتحاد قائم نہ کر پائے ہیں۔ حالات ایسے ہیں کہ نہ ہی مخلص قومی کارکن اور مخلص نوجوان طالب علم آنے والے انتخابات میں کامیاب ہو پائیں گے۔
اس وقت سندھ میں دو سیاسی گروہ مدمقابل ہیں ایک سندھ متحد محاذ اور دوسری پیپلز پارٹی دونوں کا دارومدار روایتی سیاستدانوں پر ہے جن کی اکثریت عیبوں سے خالی نہیں ہے۔

ایک خاصیت

سندھ متحدہ محاذ کی یہ ہے کہ اس میں سیاستدان کی اکثریت ابھی تک شامل ہو چکی ہے۔

دوسری خاصیت

یہ ہے کہ اس کو شیخ عبدالمجید سندھی' قاضی فیض محمد' غلام محمد خان لغاری' حیدر بخش جتوئی اور شیخ ایاز وغیرہ جیسے قومی کارکنوں کی حمایت حاصل ہے۔

تیسری خاصیت

یہ ہے کہ اس کے اہم رہنماؤں سے کسی کو بھی اسمبلی میں منتخب ہو کر ذاتی اقتدار حاصل کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔

چوتھی خاصیت

یہ ہے کہ سرحد اور بلوچستان کے محاذوں کی ان کو حمایت حاصل ہے۔

پانچویں خاصیت

یہ ہے کہ بنگال اور پنجاب کی باثر پارٹیوں نے اس سے ون یونٹ توڑنے کے لئے بغیر کسی شرط کے سمجھوتا کیا ہے۔
ان حالات کے تحت میں عوام پر فیصلہ چھوڑتا ہوں کہ وہ ایک میں شمولیت

کریں۔ ترقی پسند نوجوانوں کے لئے اس کے سوائے کوئی چارہ نہیں ہے کہ موجودہ حالات کے تحت ایک گروہ یا دوسرے کی حمایت کریں۔ وہ علیحدہ دیگچی پکا نہیں سکیں گے۔

3- اس وقت آئینی مسائل کے سوا دوسرے اختلافی مسائل پیدا کرنا درست نہیں ہے۔

تیسری بات جو ذہن نشین کرنی ہے کہ جس صورت میں آنے والے انتخابات آئینی مسائل پر ہوں گے' اسی لئے یہ بات کس قدر مصلحت آمیز ہو گی کہ جس وقت قوم کے ہر فرد کی ہمیں ون یونٹ تڑوانے اور صوبائی خود مختاری حاصل کر کے کھوئے ہوئے حقوق کو حاصل کرنے کی ضرورت ہے عین اس وقت مذہبی' نظریاتی' اقتصادی' شخصی' اخلاقی اور گزشتہ گناہوں کی بنا پر باز پرس کے اختلافات پیدا کر کے قومی شیرازہ میں انتشار پیدا کرنا کس قدر صحیح ہو گا۔

مسٹر محمد علی جناح موجودہ دور کے نہایت ہی کامیاب سیاستدانوں اور مدبروں میں شمار کئے جاتے ہیں جس نے قانونی انحرافی کرنے اور جیل میں ایک دن جانے کے سوا صرف سیاسی شطرنج میں سیاسی مہروں کو دانش مندی کے ساتھ چلانے کے سبب پاکستان کی مملکت حاصل کی۔ اس کی مثال ہمارے لئے مشعل راہ ہو سکتی ہے۔

سندھ کی تاریخ سے باخبر ہر ایک فرد کو معلوم ہے کہ تحریک پاکستان کو تناور اور منظم کرنے کے لئے شیخ عبدالمجید سندھی اور میں نے کتنا حصہ لیا۔

نوٹ :- جناب جی۔ ایم سید وہ شخصیت ہیں جنہوں نے آئینی طور پر تمام ہندوستان میں سب سے پہلے سندھ اسمبلی کے ذریعے قرارداد پاکستان منظور کروائی اس قرارداد پاکستان کو منظور کروانے والے کے ساتھ جو رویہ آخری دم تک حکمرانوں کا رہا وہ تاریخ کا ایک اہم باب بن گیا ہے۔ انہوں نے بھی اپنی کتاب Struggle for New Sindh اور The case of Sindh میں تمام روداد کو پیش کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ تاریخ ہی بہتر جج ہے۔

سندھ کے مسلمانوں کی اکثریت 1938ء میں جب مسلم لیگ میں نہیں تھی اس وقت ہندوستان میں سب سے پہلے صوبہ سندھ مسلم لیگ کے اجلاس میں قرار داد پاکستان پیش کر کے اس کو منظور کرانے والے شیخ عبدالمجید سندھی ہی تھے۔
جب ہندوستان کے کسی بھی صوبے نے قرار داد پاکستان منظور نہیں کی تھی اس وقت میں نے 1943ء میں سندھ اسمبلی میں قرار داد پاکستان پیش کر کے منظور کروائی تھی۔

میں مسلم لیگ ہائی کمان کا رکن تھا لیکن تاریخ سے باخبر ہر ایک کو معلوم ہے کہ آخری وقت جناب صاحب نے کیسے ہمارے ساتھ قطع تعلق کیا اور سرکاری ٹوڈیوں' رشوت خوروں' مسلم لیگ تحریک سے غداری کرنے والوں' سرمایہ داروں' جاگیر داروں' زمینداروں' اور غریبوں کا خون چوسنے والوں اور ابن الوقت سیاست دانوں کو ترجیح دے کر مسلم لیگ کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں دی۔ کیا سبب تھا؟ وہی جو اس وقت نوجوان اور جوشیلے کارکن پیش کررہے ہیں۔ ہمارا کہنا تھا کہ وانددار' ابن الوقت اور جاگیردار وغیرہ سیاست دانوں کو مسلم لیگ میں اہمیت نہ دی جائے۔ کیونکہ آگے چل کر یہ اپنے پرانے روایتی طریقے اختیار کریں گے۔ ان کے ذریعے حاصل شدہ پاکستان عوامی فائدے کے لئے نہیں بلکہ خاص طبقے کے لئے مرغزار ہو کر کام آئے گا۔ اس وقت ہم پر جوش' حمیت اور ایمانداری اس قدر غالب تھی کہ ملک کے حقائق اور مصلحت وقت پر ہماری نظر نہیں پڑ رہی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا جناح صاحب اور مسلم لیگ سے مذکور شدہ مسئلے پر اختلاف ہو گیا اگر غور سے دیکھا جائے تو اس وقت کے جوشیلے نوجوانوں اور ہمارے اس وقت کے خیالوں میں کم ہی فرق نظر آئے گا۔

لیکن تاریخ نے ثابت کیا کہ جناح صاحب کی پالیسی کامیاب رہی اور ہمیں باوجود ایمانداری اور نیک جذبات کے پیچھے دھکیلا گیا۔ ▪ حضرات جنہوں نے جناح صاحب سے دھوکہ بازی اور مخالفت کی تھی جو انگریز کے حاشیہ بردار تھے اور رشوتیں لیں' کسانوں کا خون چوسا' اور وہ اسلام کے علم بردار پاکستان کے حامی' مسلم لیگ اور جناح صاحب کے سچے پیروکار ہو گئے۔ اور ہم جنہوں نے مسلم لیگ کو طاقتور کیا' آزادی کی تحریک میں حصہ لیا' جیل گئے اور تکالیف برداشت کیں' اخلاقی اور سیاسی

اصولوں کے پابند تھے اس کے باوجود بھی غدار ملک ملت ہو گئے۔ پروپیگنڈہ کا اثر اتنا زیادہ تھا کہ ابھی تک کتنے ہی حضرات ہماری ایمانداری' حب الوطنی اور جذبہ اسلامی پر شک کر رہے ہیں۔ اس بات کو گزرے ہوئے خاصہ عرصہ ہو گیا ہے۔ تاریخ کی کسوٹی پر جب اس بات کو پرکھا جائے گا تو اصولی' نظریاتی اور اخلاقی بنیادوں پر حالانکہ میرا اور شیخ صاحب کا کہنا ایک حد تک صحیح تھا۔ لیکن ملک کے حقائق' سیاسی مصلحت' تقاضہ حالات ہمارے خلاف ہونے کے سبب ہم ناکام ہوئے۔

ہم اس بات سے انکار کر نہ پائیں گے کہ جناح صاحب کا سیاسی فہم' حقیقت شناسی' سیاسی دور اندیشی' مصلحت وقت کی پالیسی' ان کی کامیابی کا سبب بنی اور ہماری ناکامی کا باعث ہوش پر جوش کا غالب آنا' ملکی حقائق سے ناواقفیت' سیاسی مصلحت سے لاپرواہی اور تقاضہ حالات کو نظر انداز کرنا تھا۔

4- صوبائی اور آل پاکستان جماعتوں میں فرق

چوتھی بات جو ہمارے لئے قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ ہم اگر تاریخ پر نظر دوڑائیں تو آل انڈیا یا آل پاکستان پارٹی کا جزو ہونے کے سبب ہماری حیثیت کونسی ہوتی ہے۔ اور اس کے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

جمہوری اصولوں کے تحت ہر مسئلے کا فیصلہ کثرت رائے کے مطابق ہونا ہے۔ ہم ہندوستان سے الگ اس لئے ہوئے کہ اکثریت میں ہندو تھے اور ان کی کثرت ابھی تک فرقہ واریت اور تنگ خیالی سے آزاد نہ ہو پائی تھی۔ ان سے اکٹھے رہنے کے سبب مسلمان اکثریتی اور اقلیتی صوبوں کے حقوق کا تحفظ ہونے کا امکان نہیں تھا۔ اسی بنیاد پر پاکستان بننے کے بعد' اہل پنجاب نے مشرقی پاکستان کی آبادی کی اکثریت سے خوفزدہ ہو کر آئین سازی میں آٹھ سال لگائے اور ہندوستان نے صرف ایک سال کے اندر باوجود سخت اختلافوں کے آئین بنا کر نئے انتخابات کرائے۔

پاکستان میں آٹھ سال کے بعد 1956ء میں متفق رائے سے آئین ساز اسمبلی نے آئین بنا کر منظور کیا تو پنجاب کے باسی گورنر جنرل غلام محمد خان نے اپنے اختیارات کم ہونے اور چھوٹے صوبوں کو پنجاب میں ضم کرنے کی خاطر سر ناظم دین کی وزارت اور پاکستان کی آئین ساز اسمبلی کو ختم کر کے (جس کے وہ ماتحت تھا) مسلم

لیگ جماعت پر اپنا صدر نامزد کر کے چھوٹے صوبوں کو ون یونٹ میں پنجاب کی اکثریت کے زیر تسلط کیا۔

ہم ون یونٹ کی اسی لئے مخالفت کر رہے ہیں کہ ہمیں تجربہ حاصل ہو چکا ہے کہ کثرت تعداد سے ملنے کے سبب ہم اپنی اندرونی خود مختاری اور اپنے حقوق غصب کروا بیٹھے ہیں۔

یہی حالت آل پاکستان سیاسی پارٹیوں میں شامل ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ ان جماعتوں میں اکثریت بڑے صوبوں کی ہونے کے سبب ہمیں ہر سیاسی مسئلے پر ان کی رائے کے آگے سر بسجود ہونا پڑتا ہے۔ اکثر اہل پنجاب اور بنگال کا آل پاکستان پارٹیوں پر قبضہ رہتا ہے۔ ہماری آواز صرف نقارہ خانے میں طوطے کی آواز کے برابر رہتی ہے۔ اسی لئے جب ہم صوبائی خودمختاری کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں تو اس حالت میں ہم کس اصول اور مصلحت کے مطابق خود کو آل پاکستان پارٹیوں کے ماتحت اور ان کے رحم و کرم پر چھوڑیں۔

اس نقطہ نگاہ سے ہی ہم نے ایک آزاد صوبائی جماعت سندھ متحدہ محاذ بنائی ہے جو مساوی بنیادوں پر دوسرے چھوٹے صوبوں سے سمجھوتہ اور برابری کی حیثیت میں بنگال اور پنجاب کی ہم خیال پارٹیوں سے ہم آہنگی پیدا کر کے سمجھوتہ کرے گی۔

ہم کسی بھی جماعت میں سما کر اپنی جداگانہ حیثیت اور اہمیت ختم کرنا نہیں چاہتے ہیں۔ خدا کی مہربانی سے سندھ کی اکثر شخصیات' گروہوں اور پارٹیوں نے ون یونٹ کے مسئلے پر ہم سے سمجھوتہ کر کے تعاون کرنا شروع کیا ہے۔ باقی ایک بھٹو صاحب کا گروہ ہے جو مختلف بہانوں اور اہل پنجاب کی ناراضگی کے خوف سے محاذ میں شامل نہیں ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ انتخابات کے بعد شخصی اقتدار کے لئے سودے بازی کرنے اور آزاد رہنے کے لئے ایسے کرتا ہو جس صورت میں ہمارا مقصد سندھ کے تمام باشندوں کو متحد کر کے' ون یونٹ کو ختم کرنے اور صوبائی خودمختاری حاصل کرنا ہے۔ اسی لئے ہم نے اپنی جماعت کے دروازے ہر گروہ کے لئے کھول دیئے ہیں۔ ہمارا طریقہ کار تالیف قلوب کے ذریعے ہمدرد پیدا کرنا ہے۔ ہم کوئی بھی ایسا طریقہ اختیار نہ کریں گے جیسے اس گروہ کے پیروکار اختیار کرتے ہیں۔ جیسے کہ:۔

1- پیر صاحب پاگارو جیسے روحانی رہنما کی شان میں گستاخی کرنا۔

2- ایک دیندار، درویش، مولوی مشوری کو کافر کہنا۔
3- سندھ متحدہ محاذ کے کارکنوں کے خلاف بولنا۔
4- اسلامی تعلیم اور عمل سے بہرہ ور ہونے کے باوجود علماء کرام کی مخالفت کرنا۔

ہمیں مصلحت وقت اور ذاتی شرافت یہ اجازت نہیں دیتی ہے کہ ہم برائی کا جواب اس زبان میں دیں۔ ہمارے پاس اس تحریک کے علم برداروں کے پڑ دادے سے لیکر ان کے اخلاقی، سیاسی، مذہبی، سرکاری ٹوڈی پن اور ملک دشمنی کا وہ ریکارڈ موجود ہے جس کو ظاہر کرنے کے بعد اور اس کے پیروکار ننگے نظر آئیں گے۔ ہم ان سب کو متحدہ مفاد کے لئے گزشتہ گناہ کو معاف کر کے چلانے کے لئے تیار ہیں۔ اور جب تک انتہائی درجے پر ہمیں تنگ کر کے مدافعت کے لئے آمادہ نہیں کیا گیا ہے۔ ہم انہیں محبت کے ذریعے خود میں شامل کرنے کے کوششیں جاری رکھیں گے۔

3- شعبہ طریقت (کلچر) یا ثقافت

کلچر ایک وسیع لفظ ہے جس میں مذہبی اعتقاد، زبان، گزشتہ روایات، فنون لطیفہ، ادب، صحت اور صفائی، لباس اور تعمیر، طرز معاشرت، کھیل، عشق وغیرہ تمام اس میں آجاتے ہیں۔

سندھ کے کلچر پر میں نے ایک کتاب لکھی ہے۔ امید ہے کہ جلد وہ شائع ہو کر قارئین کے ہاتھ میں ہو گی۔

بزم صوفیائے سندھ کے اہم مقاصد میں سندھ کے کلچر کی حفاظت، ترقی اور اداروں کی تنظیم ایک اہم مقصد ہے۔ اس کے لئے کافی عرصے سے مختلف حضرات کی طرف سے کوششیں جاری رہی ہیں۔ 1924ء میں شیخ عبدالمجید سندھی کی طرف سے مسلمانوں کے تنظیمی پروگرام کو ظاہر کرنا اور حاجی عبداللہ ہارون کی طرف اس سلسلے میں چھوٹے پمفلٹ شائع کرنے، اور سندھ کے میلے کے موقع پر ثقافتی پروگرام کرانے کا دستور 1927ء میں "سن" میں شاہ حیدرؒ کے عرس کے موقع پر مرحوم سائیں ولی محمد شاہ سجادہ نشین قلندر لعل شہباز کے زیر صدارت مولوی فتح محمد سیوہانی کا افتتاحی خطبہ پیش کرنا اس کی ابتدائی کوششوں میں ایک ہے۔ اس کی تمام سرگزشت طوالت کے سبب پیش نہیں کر رہا ہوں۔ کلچر کی ترقی اور تنظیم کے لئے تین اداروں کا قیام لازمی سمجھ

ہوں۔

1- سندھی ادب کی حفاظت اور ترقی کے لئے ادارے کا قیام۔
2- سندھی کلچر کی حفاظت اور ترقی کے لئے ادارے کا قیام۔
3- مخلص اور با اخلاق قومی کارکنوں کی تربیت کیلئے ادارے کا قیام۔

1- سندھی ادب کی حفاظت اور ترقی کیلئے ادارے کا قیام

اس سلسلے میں میں نے اپنے دور وزارت 1940ء میں "سندھ مرکزی بورڈ آف لٹریچر" کے نام سے ادارہ سید میراں محمد شاہ کی چیئرمینی میں قائم کیا تھا۔ جو کچھ وقت تک چلا لیکن فنڈز کی کمی اور حالات کی ناسازگاری کے سبب حسب منشاء چل نہیں پایا۔ اس کو دوبارہ 1950ء میں آغا غلام نبی خان پٹھان نے اپنے دور وزارت میں بڑی گرانٹ دے کر نئے سرے سے زندہ کر کے "سندھی ادبی بورڈ" کے نام سے قائم کیا جس میں سندھ کے بہترین حضرات ممبر مقرر ہوئے۔ اس ادارے میں آغا صاحب نے محمد ابراہیم جویو صاحب جیسے محب وطن علم دوست' ترقی پسند اور عظیم ادیب کو سیکرٹری بنایا۔ اس کے صدر کچھ وقت تک قاضی محمد اکبر بھی رہے۔ اور اس کے بعد کافی عرصہ میں بھی اس کا چیئرمین رہا۔ اس عرصے کے دوران سرکاری تعاون اور اراکین کی مدد سے ہم نے سندھی ادب کی حفاظت اور ترقی کے لئے وسیع پروگرام مرتب کر کے اس پر عمل کرنا شروع کیا۔ سندھ سرکار کی طرف سے اس کو دو لاکھ سالانہ گرانٹ ملتی آئی۔ ہم نے اس کو آزاد ادارہ بنانے کے لئے دستور العمل منظور اور نمائندے منتخب کر کے کام چلانا شروع کیا لیکن ایوبی دور کے مارشل لاء کے بعد سرکار نے یک اس بورڈ کو ختم اور تشکیل تبدیل کر کے سرکاری افسروں کے ماتحت چند سرکار کے حاشیہ بردار ممبر نامزد کر کے کام چلانا شروع کیا۔ بعد میں اس کا غیر سرکاری چیئرمین مقرر کیا گیا۔ لیکن اس کی آزادی پر پابندیاں عائد تھیں اور ایسے متضاد خیال ممبر رکھے گئے جس کے سبب یہ اپنا مقصد حاصل کر نہ پائے۔ مسٹر محمد ابراہیم جویو جس نے برسہا برس اس کی مسلسل ترقی کے لئے کوشش کی تھی۔ اس کو خطرناک قرار دے کر ہٹایا گیا۔ اس وقت بورڈ کی طرف سے شائع ہونے والا رسالہ "مہران" اپنا اثر کھو چکا ہے۔ بورڈ کے کاروبار کی بہ نسبت ایسی شکایات سننے میں آ رہی ہیں اگر ان کو جلدی کر

کے از سر نو تنظیم اور تطہیر کر کے اس کو اپنے اصلی عروج پر نہ لایا گیا تو یہ جس مقصد کے لئے قائم کیا گیا تھا وہ حاصل ہو نہ پائے گا۔ سندھی ادب کے دردمند کا فرض ہے کہ اس ادارے کی تطہیر، حفاظت اور ترقی کے لئے آواز بلند کرے۔

اس سلسلے کی ابتداء سید میراں محمد شاہ کی طرف سے بھٹ شاہ میں ادبی اور ثقافتی پروگرام 1930ء میں کرنے سے ہوئی۔ جس کو 1953ء میں پیرزادہ عبدالستار کے دورہ وزارت میں تقویت دے کر "شاہ لطیف کلچرل مرکز" کے نام سے قائم کیا گیا۔

اس کی تنظیم کے لئے میں نے شاہ لطیف کے میلے پر 1954ء میں ایک وسیع پروگرام پیش کیا۔ جس کو وزیر اعلیٰ سندھ پیرزادہ عبدالستار نے قبول کر کے شاہ لطیف کلچرل مرکز قائم کرنے کی تجویز منظور کی۔ اور سندھ سرکار نے بھی 50 لاکھ روپے کا بل منظور کر کے شاہ لطیف کلچرل مرکز قائم کرنے کے لئے مدد کی۔ بھٹ شاہ شہر کو بہتر کرنے، آڈیٹوریم، ادیبوں کے لئے رہائش گاہ، لطیف میوزیم، راگ اور فنون لطیفہ کی ترقی کے لئے سکول قائم کرنے تھے اور اس بورڈ کو آزاد انسٹی ٹیوٹ کے طور پر کام کرنا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے مارشل لاء کے نافذ ہونے نے نا صرف اس مرتب شدہ کام اور تعمیر میں رکاوٹ ڈال دی۔ بلکہ نوکر شاہی کے ماتحت ایک بورڈ مقرر کر کے شاہ صاحب کے میلے کو سرکاری ثنا خوانی اور وزیروں کی مشتہری کے لئے کام لانا شروع کیا گیا۔ اس کے بعد قلندر لعل شہبازؒ اور سچل سرمستؒ کی درگاہوں پر کلچرل مراکز بنائے گئے۔ جس کا مقصد یہی رہا ہے کہ سالانہ میلے کے مواقع پر راگ اور سرود اور سرکاری ادیبوں کی تقاریر کے ذریعے لوگوں کو بہلایا جائے۔ ان مراکز کو قائم کرنے کے لئے ہمارے مقاصد ہی کچھ اور تھے۔ بہتر ہو گا کہ اس کے متعلق آپ کو اپنے مقاصد کی بہ نسبت تجاویز پیش کروں اور جیسے آپ اس کی تکمیل کے لئے کوشش کریں۔

1- تمام سندھ کی درگاہوں کے میلے کو منظم کر کے ایک ادارے کے تحت لایا جائے۔

2- اس میں چار مراکز قائم کئے جائیں۔

(i) حضرت قلندر لعل شہبازؒ سیون شریف۔

(ii) حضرت شاہ عنایت صوفی علیہ جھوک۔

(iii) حضرت شاہ عبداللطیف بھٹ شاہ۔

(iv) حضرت سچل سرمست درازہ

3- اس مرکزی بورڈ میں سندھ کے بہترین کلچر اور ادب سے دلچسپی رکھنے والے بارہ افراد ممبر منتخب کئے جائیں۔ اور وہ آزاد ادارے کے طور پر کام کریں۔ سرکار کی طرف سے صرف ڈائریکٹر آف ایجوکیشن' ڈائریکٹر آف ریڈیو پاکستان حیدر آباد اور آفیسر انچارج اوقاف ڈیپارٹمنٹ مقرر کئے جائیں۔

4- اس کے مقاصد مندرجہ ذیل ہوں۔

(الف) تمام سندھ کی درگاہوں کے میلے کے موقع پر ادبی اور کلچرل کانفرنسیں منعقد کی جائیں۔ اور سندھ کی تہذیب' تاریخ' شاعری' جذبہ حریت اور حب الوطنی وغیرہ پر تقاریر کی جائیں۔

(ب) مشاعرے کئے جائیں جس میں حب الوطنی' خود کو پہچاننے' تزکیہ نفس' اصلاح اخلاق' جذبہ آزادی' قومی شعور پیدا کرنے اور سندھی تہذیب اور تمدن پر شعر و شاعری کی جائے۔

(ج) وہاں راگ' سرود' ڈرامہ اور سپورٹس کی ترقی کے لئے کوشش کی جائے۔ لیکن ان کو مذکور شدہ مقاصد (ب) کے حصول کے لئے ذریعہ بنا کر کام میں لایا جائے اور نہ ہی حاضرین کی تفریح طبع کے لئے۔

(5) یہ خود کفیل ادارہ ہونا چاہئے۔ اس کے فنڈز مندرجہ ذیل پانچ ذرائع کے ذریعے حاصل کئے جائیں۔

(i) سندھ کے اوقاف ڈیپارٹمنٹ کی پیدائش۔

(ii) مچھلی کے پٹہ (LEASE) کی پیدائش۔

(iii) ریت' بجری اور پتھر کی کانوں کی پیدائش۔

(iv) میلہ ٹیکس۔

(v) مخیر حضرات کی طرف سے وقف شدہ جائیداد۔

6- چار مراکز پر راگ' ساز' ڈراموں اور دیہاتیں فنون لطیفہ کو ترقی دلانے کے لئے اسکول قائم کر کے تربیت دلائی جائے۔

7- ان میلوں پر مقامی ہنروں' صحت صفائی اور زراعت کی ترقی کے لئے نمائشیں لگائی جائیں۔

یہ مختصر خاکہ پیش کیا ہے۔ اس ادارے کے قائم ہونے کے بعد تفصیل کے ساتھ اس کے دستور العمل، مقاصد، پروگرام اور طریقہ کار کی بابت تجاویز تیار کی جا سکتی ہیں۔

3- مخلص اور بااخلاق قومی کارکنوں کیلئے تربیتی ادارے کا قیام

(i) ایک مرکزی خانقاہ (آشرم) قائم کیا جائے جس کی برانچیں ہر ایک ضلع میں کچھ اہم مقامات پر قائم کی جائیں۔

(ii) اس کے بورڈ پر صالح، عالم، تصوف کے ماہر اور فلسفہ کے پروفیسر مقرر کئے جائیں۔

(iii) ان خانقاہوں میں قومی، مخلص اور بااخلاق کارکنوں کی تربیت کا انتظام کیا جائے۔ وہ تربیت یافتہ ہو کر چند مقامات پر خدمت خلق اور پیغام محبت پھیلانے کی کوشش کریں۔

(iv) ان خانقاہوں میں تزکیہ نفس، اخلاقی اصلاح، پیغام محبت اور تصوف کی تعلیم اور تربیت دی جائے۔

(v) ان مقامات پر فقہی اور شرعی اختلافی مسائل نہ چھیڑے جائیں۔ جس کے سبب مختلف مذہبی عقائد رکھنے والوں سے تصادم پیدا ہو۔ بلکہ وہاں سینہ بہ سینہ روحانی، نفسیاتی اور اخلاقی تعلیم و تربیت دینے کا انتظام کیا جائے۔

(vi) یہ خود کفیل ادارے ہونے چاہئیں۔ ان کے اخراجات مندرجہ ذیل ذرائع کے ذریعے پیدا کئے جائیں۔

(i) اوقاف ڈیپارٹمنٹ کی مکمل پیدائش۔

(ii) سرکار سے گرانٹ۔

(iii) اہل دل حضرات سے عطیہ اور وقف املاک۔

(iv) کارخانوں اور زراعت کے ٹیکسوں پر اصلاحی فنڈ مقرر کرنا۔

یہ اہم مقاصد ہیں۔ جن کے لئے بزم صوفیائے سندھ کام کر سکتی ہے اور اس کے ذریعے اگر ہم مذہبی فرقہ وارانہ اختلاف دور کرا نہ پائے تو بھی بقائے باہمی اور رواداری کی بنیاد پر مختلف مذاہب، فرقوں، نظریوں، ادیبوں، اقتصادی اور سیاسی مفاد

کے افراد کو ایک متحدہ پلیٹ فارم دیا جا سکتا ہے۔

بزم صوفیائے سندھ کے اہم مقاصد:۔

1- اتحاد بنی نوع۔

2- امن عالم

3- ترقی بنی آدم ہونی چاہئے۔ اس کے ذریعے ہی ہم سندھ کی آزادی حقوق کا تحفظ اور کلچرل اصلاح کے لئے کام کر سکتے ہیں۔

سندھ پاکستان کا حصہ ہونے کے سبب اس طرح سے ہم پاکستان کی فلاح و بہبود کے لئے صحیح، با اخلاق، مخلص، مجسمہ قربانی، بلند خیال قومی کارکن پیدا کرنے کے بعد ملکی سیاست کو پاک اور عوام کے معاشی انصاف حاصل کرنے اور سندھ کو دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں سے ایک بنا کر صوفیائے کرام کے دیئے ہوئے پیغام، اتحاد اور امن کو پھیلا سکیں گے۔ یہ ہمارے ارادے اور امیدیں ہیں ان کی کامیابی اور تکمیل کے لئے تائید ایزدی، سندھی عوام اور خواص کی ہمدردی اور تعاون کی ضرورت ہے۔

مون وس ڪرڻ واڪا، ٻڌڻ ڪم ٻروچ جو.

ترجمہ:۔ پکارنا میرا کام سننا کام بلوچ کا ہے۔

غلام مرتضیٰ

تصوف اور جی ایم سید

خادم حسین سومرو

MUNAWAR